ماہنامہ

پیام عرفات

رائے بریلی

رمضان کے بعد

”رمضان درحقیقت ایک دور کا خاتمہ نہیں بلکہ ایک دور کا آغاز ہے۔ رمضان انتہا نہیں، ابتدا ہے۔ رمضان سب کچھ لے کر اور سب نعمتیں تہہ کر کے اور لپیٹ کر نہیں جاتا ہے، وہ بہت کچھ دے کر، جھولیاں بھر کر اور نعمتیں لٹا کر جاتا ہے، رمضان کے بعد آدمی گناہوں سے ضرور ہلکا ہوتا ہے، لیکن ذمہ داریوں سے بوجھل اور گرانبار ہو جاتا ہے۔ رمضان اگر رخصت ہوا، تو ایمان اور اس کے تقاضے، شریعت اور اس کے احکام، اللہ تعالیٰ اور اس سے تعلق بہر حال باقی ہے“۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

(رمضان المبارک اور اس کے تقاضے: ۱۳۶)

AUG 12

مرکز الإمام أبي الحسن الندوي

دار عرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی

₹10/-

رمضان موسم بہار کا زمانہ

''یہ پُر بہار موسم جب کسی کے شوق وارمان میں گذرے گا، یہ متبرک گھڑیاں جب کسی کی یاد میں بسر ہوں گی، یہ مبارک دن جب کسی کے اشتیاق میں بغیر بھوک پیاس کے صرف ہوں گے، یہ برکت والی راتیں جب کسی کے انتظار میں آنکھوں ہی میں کٹیں گی، تو ناممکن ہے کہ روح میں لطافت، قلب میں صفائی اور نفس میں پاکیزگی پیدا نہ ہو جائے، حیوانیت دور ہوگی، ملکوتیت نزدیک آئے گی اور انسان خود اپنی ایک جدید زندگی محسوس کرے گا، ایسی حالت میں بالکل قدرتی ہے کہ سوز دل اور تیز ہو جائے، قرب وصل کی تڑپ اور بڑھ جائے، تزکیہ ومجاہدہ کے اثر سے زنگ دور ہو کر کسی کا عکس قبول کرنے کے لیے آئینۂ قلب بے قرار ومضطرب ہونے لگے، ٹھیک یہی گھڑی، ذوق طلب اور ذوق عطا، سوال اور اجابت، دعا اور مقبولیت، حاجت مندی اور کریمی، گدائی اور شاہی، بندگی و بندہ پروری کے درمیان ناز و نیاز کی ہوتی ہے، اس لیے قدرتاً اس منزل تک پہنچتے ہی حجلۂ غیب سے یہ صدائے بشارت کان میں آنے لگتی ہے کہ اے ہمارے پیام پہنچانے والے، ہمارے شیدائی، ہمارے پرستار، ہمارے بندے! اگر تم سے ہمارا پتہ پوچھیں تو ان کو بتادو کہ ان سے کچھ دور نہیں، ہم تو ان سے بالکل ہی قریب ہیں، ہمیں دل کی تڑپ کے ساتھ پکاریں تو سہی، ہم فوراً ان کی پکار سنیں گے، وہ صرف ہم سے اپنی لو لگائے رہیں، اور ہم پر بھروسہ رکھیں، اس سے وہ سیدھی راہ پا کر اور منزل مقصود تک پہنچ کر رہیں گے''۔ ﴿وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ﴾ (البقرۃ:۱۸۶)

مولانا عبدالماجد دریابادیؒ

(تفسیر ماجدی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ماہنامہ

پیام عرفات

رائے بریلی

اردو اور ہندی میں ایک ساتھ شائع ہونے والا

جلد نمبر ۴ — اگست ۲۰۱۲ء - رمضان المبارک ۱۴۳۳ھ — شمارہ نمبر ۸

فہرست مضامین

تحفۂ عید..........۲
..........بلال عبدالحی حسنی ندوی

عید الفطر کا پیغام..........۳
..........حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

رمضان اور رمضان کے بعد..........۶
..........مولانا محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ

نئے دور کی دستک..........۸
..........مولانا محمد واضح رشید حسنی ندوی

عید کا چاند آپ سے مخاطب ہے..........۱۱
..........مولانا شمس الحق ندوی

زکوٰۃ کے چند اہم مسائل..........۱۲
..........مفتی راشد حسین ندوی

رمضان المبارک–قرآن کریم کی روشنی میں..........۱۵
..........عبدالسبحان ناخدا ندوی

عید نبوی ﷺ..........۱۷
..........محمود حسن حسنی ندوی

آپ کے دینی سوالات اور ان کے جوابات..........۱۸

غیر مسلموں سے تعلقات..........۱۹
..........محمد نفیس خاں ندوی

Dare Arafat Abul Hasan Ali Nadwi Center

دار عرفات مرکز الامام ابی الحسن الندوی

سرپرست

حضرت مولانا سیّد محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ
(صدر، دار عرفات)

نگراں

مولانا محمد واضح رشید حسنی ندوی مدظلہ
(جنرل سکریٹری، دار عرفات)

مجلس ادارت

بلال عبدالحی حسنی ندوی
مفتی راشد حسین ندوی
عبدالسبحان ناخدا ندوی
محمود حسن حسنی ندوی
محمد حسن ندوی

معاون ادارت

محمد نفیس خاں ندوی

فی شمارہ: ۱۰ روپے — سالانہ: ۱۰۰ روپے

www.abulhasanalinadwi.org
Fax: 0535-2211386
Mail: markazulimam@gmail.com

مرکز الامام أبي الحسن الندوي دار عرفات، تکیہ کلاں رائے بریلی (یوپی) ۲۲۹۰۰۱

پرنٹر پبلشر محمد حسن ندوی نے ایس، اے، آفسٹ پرنٹرس، مسجد کے پیچھے، پھاٹک عبداللہ خاں، سبزی منڈی، اسٹیشن روڈ، رائے بریلی سے طبع کرا کر دفتر "پیام عرفات" مرکز الامام أبي الحسن الندوي، دار عرفات، تکیہ کلاں رائے بریلی سے شائع کیا۔

اداریہ

تحفۂ عید

بلال عبدالحی حسنی ندوی

ایمان والوں کے لیے رمضان کے روزوں اور شب بیداری کے بعد عید کا تحفہ، خوشی کی نوید لے کر آتا ہے اور خوشی بھی ایک عبادت ہے، اس دن خاص طور پر رمضان کا حق ادا کرنے والوں کو اللہ کی رضا مندی کا پروانہ ملتا ہے اور ایک مزدور کے لیے اس سے بڑھ کر خوشی کی کیا بات ہو سکتی ہے کہ اس کو اس کی مزدوری ایسی مل جائے جو اس کی توقع سے کہیں بڑھ کر ہو، اللہ کی اس رضامندی پر خوش ہونا، اور اس کے دیے ہوئے اجر پر خوشیاں منانا بھی اللہ کی مزید خوشنودی کا ذریعہ ہے اور یہ صرف اسلام کا امتیاز ہے کہ اس میں انسانی ضروریات اور تقاضوں کو بھی عبادت بنا دیا گیا ہے اور احکامات میں اس کی خاص رعایت رکھی گئی ہے۔

عید کے دن روزہ رکھنے کی ممانعت میں ایک بڑی حکمت یہ بھی ہے کہ آدمی تیس دن کے روزہ کے بعد اس دن کھائے پیئے، اللہ کا شکر ادا کرے، خوشیوں میں شریک ہو اور اسلام کے اجتماعی نظام کا ایک حصہ بن کر دوسروں کے لیے نمونہ بنے، تیس دن کے روزوں اور شب بیداری کے بعد اس کا خطرہ پیدا ہو سکتا تھا کہ آدمی ہر ایک سے کٹ جاتا اور صرف اپنی فکر لے کر کہیں گوشۂ عافیت تلاش کرنے میں لگ جاتا اور اجتماعی زندگی سے اس کو کوئی سروکار نہ رہ جاتا، اللہ تعالیٰ اس کے لیے یہ انتظام فرمایا کہ عید کے دن کو ملنے ملانے میں خوشی کا مظاہرہ کرنے، اور کھانے پینے کا دن بنا دیا تا کہ اعتدال قائم رہے۔

عید کے دن روزہ رکھنے کی ممانعت کی ایک بڑی حکمت یہ بھی ہے کہ تیس دن روزہ رکھنے کے بعد بہت طبائع روزے کے عادی ہو جاتے ہیں اور جی چاہنے لگتا ہے کہ مزید چند روزے رکھ لیے جائیں، اور اسی میں ان کو مزہ ملنے لگتا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کی جڑ ہی کاٹ دی اور بات صاف کر دی کہ اصل اللہ کی بندگی ہے، روزے نماز اور ساری عبادتیں اس کے مظاہر ہیں، جب تک یہ اللہ کے حکم کے مطابق ہوں گے ان کو بندگی میں شمار کیا جائے گا، اور جب اس میں نفس کے تقاضے شامل ہونے لگیں گے تو مظاہر رہ جائیں گے لیکن بندگی کی روح نکل جائے گی۔

عید اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ آتی ہے لیکن اس کی اصل خوشی اسی کو ملتی ہے جس نے رمضان مبارک کا حق ادا کیا ہو، اس کے دن کے روزے، اس کی راتوں کی تراویح اور تہجد، تلاوت و ذکر کی کثرت اور پھر ضرورت مندوں کی مدد، دکھے دلوں کے ساتھ غمگساری، رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک، یہ سب وہ نیکیاں ہیں جن سے اللہ کا بندہ قرب الٰہی کی وہ منزلیں طے کرتا ہے جو عام دنوں میں اس کے لیے ممکن نہیں، اس قرب الٰہی کے ساتھ جب عید کا دن آتا ہے تو اس کی خوشیوں کا کوئی ٹھکانا نہیں ہوتا۔

بہت سے برے کام وہ ہیں جو رمضان کے روزوں کو گدلا کر دیتے ہیں، حدیث میں آتا ہے کہ بہت سے روزہ دار وہ ہیں جن کے حصہ میں بھوکے رہنے کے سوا کچھ نہیں اور بہت سے شب بیدار وہ ہیں جن کے حصہ میں رات جاگنے کے سوا کچھ نہیں، یہ وہ لوگ ہیں جو روزہ بھی رکھتے ہیں اور دن بھر غیبت میں مبتلا رہتے ہیں، دوسرے گناہ کے کام بھی کیے جاتے ہیں، افطار کرتے ہیں تو حرام و حلال کا فرق نہیں ہوتا، افطار حرام و مشتبہ مال سے کرتے ہیں، اور راتوں کو جاگنے میں تو اس کا حق ادا نہیں کرتے، فضول گوئی اور لایعنی کاموں میں رات بتا دیتے ہیں، موجودہ دور میں شبینہ کا سلسلہ چل نکلا ہے، رات رات بھر نماز ہوتی ہے اور لوگ بجائے نماز میں شامل ہونے کے چائے سگریٹ میں لگے رہتے ہیں، ایک جشن سا مناتے ہیں اور بہت کم عبادت میں وقت صرف کرتے ہیں، یہ چیزیں وہ ہیں جو دن کے روزوں اور رات کی بیداری کی روح نکال دیتی ہیں، ظاہر ہے جس نے رمضان کی ایسی ناقدری کی ہوگی، اس کے لیے عید کی خوشی کیا؟..................

(باقی صفحہ نمبر ے پر)

عید الفطر کا پیغام

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

﴿ یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ وَلِتُکْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَى مَا هَدَاكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ. وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ﴾ (البقرة:۱۸۵-۱۸۶)

میرے بھائیو، دوستو، عزیزو اور بزرگو! میں نے آپ کے سامنے قرآن شریف کی سورہ بقرہ کی وہ آیتیں تلاوت کیں جن کا تعلق رمضان المبارک سے ہے، اور جن کی ابتدا ہوتی ہے:
﴿یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ (البقرہ:۱۸۳)، اور اسی میں یہ آیت ہے: ﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِنَ الْهُدَى وَالْفُرْقَانِ﴾

اس میں اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے: اے مسلمانو! اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے، اس کا منشا اور ارادہ تمہارے ساتھ آسانی کا ہے، ﴿وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾ (وہ تم کو مشکل میں ڈالنا نہیں چاہتا)، یہ ۳۰ یا ۲۹ دن کے جو روزے ہیں، کوئی پہاڑ نہیں ہیں، یہ مسلسل چلتے ہیں، جلد ختم ہو جاتے ہیں، اس کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَى مَا هَدَاكُمْ﴾ اور تاکہ تم اللہ کی بڑائی بیان کرو اس پر کہ اللہ نے تم کو ہدایت دی، اللہ نے ہدایت کی جو نعمت تم کو عطا فرمائی ہے، اس پر اللہ کی بڑائی بیان کرو "وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ" اور تاکہ تم شکر کرو۔

اللہ جل شانہ نے اس آیت میں عید کا بھی ذکر کر دیا، عید کا نام تو نہیں لیا، لیکن عید کا مقصد اور عید کا وظیفہ، عید میں کرنے کا کام، یہ سب اس میں آ گیا، کہ جب اللہ تعالیٰ رمضان میں روزہ کی توفیق دے، رمضان آئے اور خیریت کے ساتھ، توفیق الٰہی کے ساتھ، دن کے روزوں کے ساتھ، رات کی عبادتوں کے ساتھ گزر جائے ﴿وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَى مَا هَدَاكُمْ﴾ اللہ کی بڑائی بیان کرو اس پر کہ اللہ نے ہدایت دی، ایمان واسلام کی دولت سے نوازا، اور پھر توفیق دی، اگر ان میں سے ایک چیز بھی نہ ہوتی تو کہاں کا رمضان اور کہاں کا روزہ؟ دنیا میں پچاسوں قومیں ہیں، سیکڑوں قومیں ہیں، وہ اتنا جانتی ہیں کہ رمضان کا مہینہ مسلمانوں میں آتا ہے، جیسے ہمارے یہاں مہینہ آتا ہے۔ انہیں پتہ بھی نہیں چلتا کہ کب رمضان آیا اور کب ختم ہو گیا؟ اور ان کے مہینوں اور رمضان میں کیا فرق ہے؟

تو پہلی چیز تو یہ ہے کہ اللہ نے ہمیں ہدایت دی، ہم کو اسلام کی دولت سے نوازا۔ جس نے ہمیں صحت دی، ایسی صحت جس سے روزہ رکھ سکیں، اور پھر اس کے بعد سب سے بڑی چیز یہ ہے کہ توفیق دی، سب کا انحصار توفیق پر ہے، ساری چیزیں جمع ہیں مگر توفیق نہیں تو کچھ نہیں، یعنی روزہ رکھنے کے لیے جن جن چیزوں کی ضرورت ہے، عمر تو اللہ کے فضل سے زندگی ہے، جوانی چاہیے، بلوغ چاہیے، تو وہ بھی موجود ہے، صحت چاہیے تو وہ بھی موجود ہے، اور روزے کے مسئلے معلوم ہونے چاہئیں تو وہ بھی معلوم ہیں، حکومت روکتی، قانون روکتا، یا ڈاکٹر ہی نے کہا ہوتا کہ تمہارے لیے روزہ رکھنا نامناسب ہے، نقصان دہ ہے، تو یہ بھی نہیں ہے، پھر روزہ کیوں نہیں ہو رہا ہے؟ توفیق نہیں ہے۔

توفیق وہ چیز ہے جس کا ترجمہ کسی زبان میں نہیں ہوسکتا، توفیق کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کا رحمت کا ارادہ کرنا، اور اللہ تعالیٰ کا اس کے دل میں یہ خیال اور جذبہ ڈال دینا کہ یہ کام کرنا ہے، تمام رکاوٹوں اور موانع کو ہٹا دینا ہے، اور پھر اللہ تبارک وتعالیٰ کا

یہ فیصلہ کرنا کہ یہ کام ہو، یہ شخص روزہ رکھے، نماز پڑھے، ان سب کے مجموعے کا نام توفیق ہے، اتنی لمبی جو ہم نے عبارت بیان کی وہ عربی کے قرآن مجید کے ایک لفظ میں آ گیا ہے، اس کا نام ہے ''توفیق''۔

آپ دیکھیں گے، اپنے محلّہ میں دیکھیں گے، کہ ماحول موجود، سارے اسباب موجود، شرائط موجود، فضا موجود، لیکن روزہ نہیں، اس لیے کہ توفیق نہیں، اب اللہ نے تم کو ساری چیزیں اور ساتھ میں توفیق بھی عطا فرمائی، اس پر اللہ کی بڑائی بیان کرو ﴿وَلِتُكَبِّرُوا اللهَ عَلَى مَاهَدَاكُمْ﴾۔

اس کو چھٹی نہ ملی جس کو سبق یاد نہ ہوا

چنانچہ مسنون بھی یہ ہے کہ عید آئے، عیدالفطر ہو، تو آہستہ آہستہ تکبیر کہتا ہوا آئے اور عیدالاضحیٰ ہو تو ذرا بلند آواز سے ''اَللّٰهُ أَكْبَرُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ'' پکارتا ہوا آئے اور مسنون یہ ہے کہ ایک راستہ سے جائے اور دوسرے راستہ سے آئے، تاکہ ساری فضا اس سے معمور ہو جائے، اور وہاں کے رہنے والوں کے کانوں میں یہ فضا پڑ جائے، اور وہ زمین گواہی دے، اور جب تک عید کی نماز کے انتظار میں بیٹھا رہے، یہ کہتا رہے ﴿وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلَى مَاهَدَاكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ تاکہ تم شکر کرو کہ اللہ نے ہمیں توفیق دی، اللہ نے ہم سے روزے رکھوائے، کوئی بیماری وغیرہ کے باعث چھوٹ گیا تو اس کے لیے بھی نیت اچھی کی، اور دنیا میں جتنے بھی خوشی کے تہوار ہیں، سب میں خوشی ہوتی ہے، یعنی اس میں جو فرائض ہوتے ہیں، روزمرہ کا جو معمول ہے، وہ بھی معاف ہو جاتا ہے، لیکن اسلام تنہا مذہب ہے کہ اس میں خوشی کے دن کام بڑھا دیا جاتا ہے، کام ایسا بھاری نہیں ہوتا کہ آدمی کہے کہ کام نہیں ہوتا، نہیں؛ بلکہ کام ایسا مبارک ہوتا ہے، ترقی دینے والا ہوتا ہے، کام ایسا مبارک ہوتا ہے، اور معقول ہوتا ہے اور انسانیت وشرافت کا ہوتا ہے، یہ جو دو رکعتیں آپ نے پڑھیں، وہ روزہ کی نہیں ہوتیں، ہاں کوئی اشراق و چاشت پڑھے، جو فرض وواجب نہیں ہیں، لیکن عید کی نماز بڑھا دی گئی۔

اور تہوار آپ دیکھیں گے تو اس میں عبادات معاف ہو جاتے ہیں، کوئی پوجا کرے یا نہ کرے، چرچ جائے نہ جائے، کرسمس ہے، چھٹی کا دن ہے، اور یہاں تو کام بڑھا دیا گیا کہ فجر کی نماز، پھر ظہر کی نماز، درمیان میں دوگانہ اور بڑھا لیں، یہ ہے اسلام میں شکر کا طریقہ، چھٹی نہیں ہے بلکہ بات یہ ہے۔

اس کو چھٹی نہ ملی جس کو سبق یاد ہوا

اس امت کو سبق یاد ہو گیا ہے، الحمدللہ! ساری امتیں سبق بھلا بیٹھیں، بات یہ ہے کہ روئے زمین میں کوئی امت ایسی نہیں جس کو سبق یاد ہو، تنہا یہ امت ہے جس کو سبق یاد ہے، کچا پکا جیسا بھی ہو، تو جب اس کو سبق یاد ہوا چھٹی نہیں ملی، سبق یاد کرنے والے لڑکے کو، مکتب میں پڑھنے والے کو چھٹی نہیں ہے، بلکہ اس کی ذمہ داریاں ہیں اور اس کو اپنی اس نعمت کا شکر ادا کرنا چاہیے، اس سے اس میں اضافہ ہوگا، کمی نہیں ہوگی۔

تو دو رکعت یہ، اور فطرہ الگ دینا پڑتا ہے، ہر وقت کی بات نہیں، دوسرے ادیان کے تہواروں میں یہ نہیں، بلکہ وہاں تو کھاؤ پیو، وہاں معاملہ یک طرفہ ہے اور یہاں لینے سے زیادہ دینا ہے، غریبوں کو فطرہ دو، اللہ کے سامنے دو رکعت شکرانہ کی نماز پڑھو، اور پھر تکبیر پڑھو، اور اللہ کا شکر ادا کرو'' وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلَى مَاهَدَاكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ''۔

دنیا حقیقی عید سے محروم ہے

یہ ایسا تہوار ہے کہ امت کو اس میں چھٹی نہیں ملتی، اور اب ضرورت ہے کہ ہم مسلمان اپنے دین پر از سرِ نو قائم اور پختہ ہوں، اس دین کا ایسا مظاہرہ کریں، اور دین کا ایسا نمونہ پیش کریں، دنیا کے سامنے لائیں کہ دنیا کی بھی عید ہو جائے، بہت دن سے دنیا کی عید نہیں ہوئی ہے، دنیا عید سے محروم ہے، دنیا حقیقی عید سے محروم ہے، یہ سب جعلی باتیں ہیں، کہاں کا کرسمس، اور کہاں کی ہولی، دیوالی، لیکن دنیا کی حقیقی عید صدیوں سے نہیں ہوئی، اور پھر مسلمان مسلمان بن جائیں، دنیا کی عید ہو سکتی ہے، دنیا حقیقی عید کو ترس رہی ہے، نہ امن ہیں، نہ اخلاق ہیں، نہ انسانیت ہے، نہ شرافت ہے، نہ قدر شناسی ہے، نہ خدمت کا جذبہ ہے، نہ خدا کی یاد ہے، نہ

خدا کی شناخت ہے، اور نہ پہچان ہے، کچھ نہیں ہے، کہاں کا تہوار، سارے تہوار جو ہیں، یہ بچوں کے سے کھیل ہیں۔ جیسے بچوں کی کوئی ذمہ داری نہیں، کھیلیں، کودیں، کھائیں، پئیں اور خوش وخرم رہیں، کچھ فکر نہیں، ایسے ہی دنیا کی قومیں بچوں کی طرح خوشیاں منارہی ہیں، لیکن حقیقی خوشی نصیب نہیں۔

آج دنیا کو عالمی سطح پر ایک عید کی ضرورت ہے، وہ عید مسلمانوں کی کوشش سے ہی آسکتی ہے، لیکن افسوس ہے کہ مسلمان خود اپنی عید کا شکر صحیح طریقہ سے ادا نہیں کر پاتے اور اس کے معنی صحیح طور پر نہیں سمجھتے، آپ جہاں رہیں ثابت کریں کہ آپ کوئی اور قوم ہیں، افسوس کہ اس کو آنکھ ترس رہی ہے، سب ایک جیسے، وہ بھی رشوت لیتے ہیں، ہم بھی رشوت لیتے ہیں، وہ بھی سود کھاتے ہیں، ہم بھی سود کھاتے ہیں، وہ بھی پیسہ کا پجاری ہے، بھوکا اور شائق ہے، یہ بھی پیسہ کا بھوکا ہے، یہ بھی آرام طلب ہے، وہ بھی آرام طلب، اس کو بھی کسی کی فکر نہیں کہ دنیا میں کیا گزر رہی ہے، محلّہ پڑوس میں کیا گزر رہی ہے، یہ بھی ایسا ہی، مسلمان ایسا نہیں ہوسکتا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَيَجْعَلْ لَكُمْ فُرْقَاناً﴾ تم حقیقی مسلمان بنوگے، اللہ سے ڈروگے، تو اللہ تمھیں شانِ امتیازی عطا فرمائے گا، دور سے پہچانے جاؤ گے، دیکھو مسلمان آرہا ہے۔

یہ حالت تھی قرونِ اولی میں کہ ملک کے ملک مسلمان ہوئے مسلمانوں کو دیکھ کر، سمجھانے بجھانے میں، دلیل لانے، مطمئن کرنے میں تو برسوں لگ جاتے ہیں، تو کیا بات ہے؟ مصر پورا کا پورا مسلمان ہوگیا، تہذیب بدل گئی، رسم الخط بدل گیا، طور وطریق بدل گیا، اور اسی طرح کیا عراق پورا کا پورا مسلمان تھا؟ کیا شام پورا کا پورا مسلمان تھا؟ سب دوسرے ادیان کے ماننے والے تھے، عیسائی تھے، یہودی تھے، اور بت پرست تھے، زبانیں جداگانہ تھیں، اور کلچر بھی الگ، تو گویا کہ سانچہ میں ڈھال دیا گیا ہو، مشین سے ڈھلا ڈھلایا نکلا ہو، ہندوستان میں یہ نہیں ہوا، جو لوگ آئے ان کے اندر یہ روح نہیں تھی جو عربوں میں تھی کہ وہ جہاں جاتے تھے پورا کا پورا ملک مسلمان بنا دیتے تھے، ساتھ کھانا، ساتھ پینا، اونچ نیچ سب ختم، سب انسان ہیں، کوئی فرق نہیں، حدیث شریف میں آتا ہے: (إِنَّ أَبَاكُمْ وَاحِدٌ وَإِنَّ رَبَّكُمْ وَاحِدٌ كُلُّكُمْ مِنْ آدَمَ، وَآدَمُ مِنْ تُرَابٍ لَافَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلَى عَجَمِيٍّ وَلَا لِعَجَمِيٍّ عَلَى عَرَبِيٍّ إِلَّا بِالتَّقْوَى) ”تمہارے باپ بھی ایک تھے، تمہارا رب بھی ایک، اب باپ بھی ایک، رب بھی ایک“۔

چنانچہ جہاں عرب گئے، وہاں دین بدل گیا، تہذیب بدل گئی، رسم الخط بدل گیا، لباس بدل گیا، زبان بدل گئی لیکن افسوس کہ مسلمانوں نے یہاں ہندوستان میں آٹھ سو سال حکومت کی، مگر کوئی فرق نہیں ہوا، کوئی تبدیلی نہیں آئی، کیوں کہ ہم میں مساوات نہیں، ہم میں اخوت نہیں، یہاں حاکم ومحکوم کا فرق، اور وہاں حاکم ومحکوم کا فرق نہیں رہا، اللہ ہمیں آپ کو توفیق دے کہ ہم جہاں جائیں اسلام کا نمونہ پیش کریں، کچھ تو اسلام کا نمونہ پیش کریں، ہماری نگاہیں نیچی ہوں، نامحرم پر نظر نہ پڑے، اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا وَّ إِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُوْنَ قَالُوْا سَلَاماً﴾ [سورة الفرقان:٦٣]

ہم اس طرح چلیں کہ کسی کو تکلیف نہ ہو، ہم راستہ کے کانٹے ہٹائیں، ہم پانی کو ضائع ہونے سے بچائیں، ہم ہمسایہ کیا، شہر میں کسی بھی رہنے والے کو تکلیف نہ ہونے دیں، ہم ضرورت پر مدد کرنے کو تیار رہیں، لوگ دیکھیں کہ پیسہ روپیہ ان کے نزدیک فیصلہ کن نہیں ہے، فیصلہ کن ارادۂ الٰہی ہے، فیصلہ کن حکم الٰہی ہے، یہ بڑی سے بڑی رقم چھوڑ سکتے ہیں، لاکھوں کی رقم پر لات مار سکتے ہیں، ٹھوکر مار سکتے ہیں، مگر اصول کے خلاف، شریعت کے خلاف نہیں جاسکتے۔ یہ نمونہ آج دکھانے کی ضرورت ہے۔ اللہ جلّ شانہ ہمیں اپنی جگہ پر بھی مسلمان بنائے، اور دوسروں کے لیے بھی ایسا پرکشش، جاذبِ نظر، قابلِ احترام مسلمان بنائے کہ لوگوں کے دل اسلام کی طرف کھنچیں اور بڑھیں۔

مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہٗ

رمضان اور رمضان کے بعد

یہ شمارہ رمضان المبارک کے اختتام پر شائع ہو رہا ہے، رمضان المبارک کے مہینہ کی مثال ایک صاف ستھرے پانی کے دریا کی ہے جس کے اندر سے گذر کر مسلمان ایک پار سے دوسرے پار منتقل ہوتے ہیں، اور اپنی دینی زندگی کے نئے سال میں داخل ہوتے ہیں، جس میں وہ اپنے گذشتہ سال کی کوتاہیوں اور کمزوریوں اور معصیت کی آلودگیوں سے نہا دھو کر صاف ستھرے ہو کر نکلتے ہیں، اور اپنی زندگی کو از سر نو صاف ستھرے حال میں شروع کرتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے کہ حدیث ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرائیلؑ کی اس دعا پر آمین کہی جس میں انہوں نے ایک مسلمان کی یہ بدقسمتی اور خسارہ بتایا کہ رمضان آیا ہو اور وہ اپنے کو گناہوں سے بخشش حاصل نہ کر سکے، اسی بناء پر رمضان کے بعد کا زمانہ ایک مسلمان کی دینی زندگی کا نیا سال ہے جس کو وہ صاف ستھری اور تازہ دم حالت میں شروع کرتا ہے۔

رمضان سے ایک طرف مسلمان کی زندگی کی تطہیر و تزکیہ ہوتا ہے دوسری طرف اس سے نیا حوصلہ ملتا ہے اور تقویٰ و طہارت کی زندگی کی مشق بھی ہوتی ہے، مہینہ کے ۲۹-۳۰ دن اس حالت میں گذرے ہوتے ہیں کہ ہر روز بھوک و پیاس پر صبر کرنا پڑتا ہے، اور یہ صبر کسی معذوری و مجبوری سے نہیں کہ مایوسی کی کیفیت کی وجہ سے صرف نام کا صبر ہو بلکہ اپنے ارادہ اور ضبط نفس کے ساتھ جس میں صحت و حوصلہ کا جذبہ ہوتا ہے اور چونکہ وہ پروردگار کے حکم کی تعمیل میں اور اس کی رضا کے لیے ہوتا ہے اس لیے ایک طرف اس سے حوصلہ و ہمت کی تربیت و مشق ہوتی ہے، اور دوسری طرف وہ عبادت کے حکم میں داخل ہو کر رضائے الٰہی اور آخرت میں کامیابی کا ذریعہ بنتا ہے۔

رمضان المبارک کی پاکیزگی اور خوبی کی ہی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مرضی کے اور دینی حیثیت سے اہم ترین واقعات اسی ماہ میں پیش آئے، غزوۂ بدر کا واقعہ جس میں حق و باطل کی کشمکش میں پانسہ اسلام کے حق میں پلٹ دیا اور فتح مکہ کا واقعہ جس میں اسلامی تاریخ کے دھارے کو زبردست اور نیا رخ دیا، اور اس سے بھی زیادہ یہ بات کہ اللہ تعالیٰ کا متبرک کلام اسی ماہ میں آسمان سے اتارا گیا اور زمین والوں کو اس کی سعادت و نعمت عطا کی گئی۔

رمضان المبارک کی یہ اور دیگر متعدد خوبیاں اور عظمتیں ہیں جن کی بنا پر اس ماہ کو صحیح طریقہ سے گذارنے والے قابل مبارکباد ہیں، جنہوں نے اس کی نعمتوں سے اپنے دامن بھرے اور اس کی برکتوں سے مالا مال ہوئے، ان کی اس کامیابی کا جشن عید کے دن کے ذریعہ ظاہر ہوتا ہے جس کو عید الفطر کہتے ہیں، یعنی روزہ سے فارغ ہونے کی عید اس روز مسلمان اپنے مسرت و شادمانی کا اظہار صاف ستھرے لباس زیب تن کر کے اور اپنے رب کے سامنے سجدۂ شکر یعنی دوگانہ عید ادا کر کے کرتے ہیں اور ایک دوسرے کو مبارکباد دیتے ہیں کہ انہوں نے یہ مہینہ اس کے آداب کے ساتھ اور اس کی برکات حاصل کر کے گذارا اور اب وہ قابل رشک بھی ہیں اور مسرور بھی۔

لیکن یہ مہینہ اپنے پیچھے متعدد ذمہ داریاں بھی چھوڑ جاتا ہے، یہ زندگی کے گوناگوں معاملات میں صلاح استقامت کے اختیار کرنے کا درس دے جاتا ہے وہ ایک صالح مسلمان کے عزم و ہمت کے لیے مہمیز ثابت ہوتا ہے کہ اب وہ اپنی زندگی کو زیادہ بہتر اور صاف بنائے گا اور ماہ رمضان میں اس نے جو صبر استقامت دکھائی اس کو جاری رکھے گا۔

رمضان المبارک کی حیثیت ایک طرح کے تربیتی کیمپ کی ہے جس میں نہ صرف یہ کہ ایک مخصوص قسم کی پابند زندگی گذارنا

پڑتی ہے بلکہ آئندہ کے لیے مزید قوت اور صلاحیت پیدا کی جاتی ہے، رمضان المبارک میں جو کام انفرادی زندگی میں کرنا ہوتا ہے رمضان بعد اس کا ایک طرح کا اجزاء عمومی زندگی مین کرنا ہے، رمضان المبارک میں روزانہ چند گھنٹوں کے لیے اپنی پسند اور ضرورت کی کئی باتوں سے توقف اور پرہیز کرنا ہوتا ہے کہ پیاس ہے لیکن اتنے وقت تک پانی نہیں پینا ہے جب کہ پانی ہر طرف موجود ہے، اور دعوت ذوق وطلب دے رہا ہے، بھوک ہے لیکن اتنے وقت تک منہ میں ایک لقمہ بھی نہیں ڈالتا ہے، گھر والوں کے ساتھ ہے لیکن ان سے اپنی رغبت و پسند کی بے تکلفی نہیں اختیار کرسکتا کیونکہ پروردگار و مالک نے ان ساعتوں میں منع کیا ہے، چنانچہ اپنے پروردگار اور مالک کے حکم کی بجا آوری مین وہ صبر کرتا ہے اور اپنے دل کو بھی سنبھالے رکھتا ہے۔

اب جب رمضان ختم ہوا اور ۲۹ و ۳۰ دن کی ٹریننگ و تربیت سے مرد مسلمان گذرا تو اب اس کے لیے کیا مشکل ہے کہ آئندہ مہینوں میں ان پابندیوں سے کم محنت وصبر کی پابندیوں کو نبھائے اور اپنے پروردگار کے حکم کو مانے، وہ حرام مال کو ہاتھ نہ لگائے اپنے لیے جائز اور حلال چیزوں ہی کو لے اور استعمال کرے، اس کو کوئی انسان بھی نہ دیکھتا ہو اور قیمتی سے قیمتی مال سامنے ہو جس کو لینے میں اس کو کوئی مادی رکاوٹ نہ ہو دل بھی لینے کو چاہتا ہو لیکن وہ نہ لے اس لیے کہ اس کا وہ مخصوص روزہ تو ختم ہوا لیکن یہ عام روزہ قائم ہے، جنسی لحاظ سے اس کے پروردگار نے جو حدود اس کو بتادیئے ہیں ان حدود سے تجاوز نہ کرے کسی حرام جگہ پر نظر نہ ڈالے اور دل کی رغبت دلانے میں بھی نہ آئے۔

مسلمان کی زندگی رمضان میں تو ایک مخصوص دائرے میں گھیر دی جاتی ہے جس کو نبھانے پر وہ روزہ دار ثابت ہوتا ہے اور اس کے لیے اس کے عوض میں جنت کی نعمتوں کی بشارت ہے، لیکن غیر رمضان میں بھی اس کی متعدد پابندیوں کے ساتھ رہنا ہوتا ہے اور اس کے لیے بھی جنت کی نعمتوں کی بڑی بشارتیں ہیں، پھول پھل، پانی دودھ، شہد اور راحت کے بے شمار سامان کی بشارتیں ہیں جو ابد الآباد تک حاصل ہوں گی، لیکن کب؟ جب پروردگار کی بتائی ہوئی اور آسان پابندیوں کی نبھایا جائے۔

افسوس کی بات ہے کہ ہم بہت حد تک رمضان المبارک کی بھوک و پیاس و دیگر پابندیوں کو تو نبھا لیتے ہیں بلکہ پورے پورے مہینہ اور مسلسل سالہا سال نبھاتے ہیں، لیکن عمومی زندگی میں آسان سی پابندیوں کو بعض وقت نہیں نبھا پاتے، یہ احتیاط کی وہ جائز و ناجائز مال میں شرعی احکام کے باموجب فرق کریں، اور جو ان کے لیے حلال نہیں ہے اس کو ہاتھ نہ لگائیں اور کسی کا مال یا سامان اس کی اجازت یا دیے بغیر نہ لیں، کسی ممنوعہ بات کا ارتکاب نہ کریں، کسی پر تہمت اور جھوٹا الزام نہ لگائیں، کسی کو بلا سبب نقصان نہ پہنچائیں، اپنے اوپر جو دوسروں کے حقوق ہیں ان کو پوری طرح ادا کریں، یہ وہ باتیں ہیں جو مسلمان کی زندگی میں اس طرح ضروری ہیں جس طرح روزے میں کھانے پینے سے پرہیز، اس طرح مسلمان صرف رمضان ہی کے روزہ کا پابند نہیں ہے بلکہ وہ زندگی کے عمومی روزے کا پابند ہے اور مسلمان کا مسلمان ہونا اسی وقت مکمل ہوتا ہے جب وہ دونوں طرح کے روزہ کی پابندی کرے۔

بقیہ: تحفۂ عید

............جیسے پہلے تھا، آج بھی ویسے ہی ہے، کوئی فرق نہیں، دن بدلتے رہے، حالات نہیں بدلے اور زندگی جوں کی توں رہی، ایسے لوگوں کے لیے عید کی خوشی صرف نئے کپڑوں اور اچھے کھانوں کی حد تک محدود رہتی ہے اور وہ بدنصیب جنہوں نے بلا عذر رمضان کے روزے چھوڑے، راتوں کی عبادت چھوڑی، ان کی محرومی کی تو کوئی انتہا نہیں، ان کے لیے عید کا دن عام دنوں کی طرح ہے، ان کو تو نہ اندر کی خوشی ملتی ہے نہ باہر کی۔

عید کا تحفہ حقیقت میں ان لوگوں کے لیے ہے جنہوں نے رمضان کی قدر کی اور رمضان ان سے خوش گیا، ان کے لیے ہلال عید خوشی کی نوید بن کر طلوع ہوتا ہے، ان کا ظاہر بھی پاک اور ان کا باطن بھی پاک، یہ وہ لوگ ہیں جن کی بن وموسے خوشی ٹپکتی ہے۔

مولانا سید محمد واضح رشید ندوی

نئے دور کی دستک

انیسویں صدی کے شروع میں پوری دنیا خاص طور پر وہ ممالک جو یورپ کی علمی وسیاسی یلغار کا سامنا کررہے تھے یورپ کی خوشنما تہذیب سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکے، یورپی تہذیب کے وہ تمام پہلو جنہوں نے نگاہوں کو خیرہ، دلوں کو مسحور اور ذہنوں کو متاثر کیا تھا خالص مادی اور علمی ترقی کے پہلو تھے، اور یہ وہ زمانہ تھا کہ جب سحر زدہ یہ ممالک علمی اور مادی میدان میں یورپ سے بہت پیچھے تھے، وہاں جہالت تھی، پسماندگی تھی، غربت تھی، بدامنی تھی، ان کا حال یہ تھا کہ وہ مادی اور علمی پہلوؤں کا تجزیہ کرنے اور ان میں صالح اور غیر صالح کی تمیز کرنے سے بھی قاصر تھے، ان میں وہ ممالک بھی تھے جہاں مسلمان اکثریت میں تھے، اور وہ یورپ سے بہت قریب تھے، اور یورپ کی ان پر نگاہ لگی ہوئی تھی، جیسے مصر وشام اور ترکی، یہ ممالک دوسرے ممالک سے پہلے یورپ کی مادی وفکری یلغار سے متاثر ہوئے، خاص طور پر وہ لوگ جن کو تعلیم کی غرض سے یورپ بھیجا گیا تھا یا یورپ کے تعلیمی اداروں یا اساتذہ سے انہیں استفادہ کا موقع ملا تھا، ہر وہ شخص جس کو یورپی ممالک کے سفر کا اس زمانے میں موقع ملا، یورپ کی مادی ترقی منظم زندگی اور علمی برتری سے وہ متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکا، اور اس نے اس ترقی کے تعلق سے اپنا تاثر اس ملک تک پہنچایا جہاں کا وہ باشندہ تھا، اور انہی لوگوں نے ایسی کتابیں اور مضامین لکھے جو اس زمانے میں یورپ کی برتری ظاہر کرتے تھے، اور ان قلمکاروں نے اپنے ملکوں کی بری تصویر پیش کی، اور یورپ کو نمونہ ثابت کرنے کی کوشش کی، ان کے طرز پر زندگی ڈھالنے کی دعوت دی، اپنے اس عمل سے انہوں نے یورپ کی برتری اور اس کے تفوق کو اپنے ملک کے باشندوں کے دلوں میں بیٹھا دیا، ان کی نگاہوں سے یورپی تہذیب کے وہ پہلو مخفی رہ گئے جن کو یورپ میں نظر انداز کردیا گیا تھا، جن کا تعلق مذہب، اخلاق، ومعاملات اور زندگی کے تصور سے تھا۔

البتہ یورپ کا سفر کرنے والے کچھ مسلم دانشور ایسے بھی ہیں جنہوں نے وہاں کی برائیوں اور خامیوں پر سے پردہ اٹھایا، اور اپنے ملک کے لوگوں کو ان کے عیوب سے آگاہ کیا، کیونکہ زندگی صرف علم کا نام نہیں، مال کا نام نہیں، بلند معیار زندگی کا نام نہیں، بلکہ زندگی کی کچھ انفرادی اور اجتماعی قدریں ہیں، کچھ خانگی او رگھریلو ذمہ داریاں بھی اس سے متعلق ہیں، یورپ کی مادی ترقی کی مسحور کردینے والی تصویر سے اور زندگی کی اس ترقی سے دلوں میں نقص کا احساس اس وقت پیدا ہوتا ہے جب ایک انسان اپنے معاشرہ کا یورپ کے معاشرہ سے موازنہ کرتا ہے، مغربی علماء نے اس تاثر کا غلط استعمال کیا، انہوں نے اسلام اور دوسرے مذاہب پر حملہ کیا یہ سمجھتے ہوئے کہ دین ہی پسماندگی کا سب سے بڑا سبب اور تحقیق کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے، اور مغرب سے متاثر لوگوں کے دلوں میں مذہب کے بارے میں شک بلکہ الحاد کا بیج بودیا۔

عالم عربی اس کا سب سے زیادہ شکار ہوا، یورپ سے اس کی قربت کی وجہ سے، اور علمی استفادہ کی وجہ سے، اور اس لیے بھی کہ وہ مغربی ممالک کا حریف رہا ہے، اور صلیبی جنگوں کا سامنا کرنے کی وجہ سے بھی، جس طرح صلیبی جنگوں سے پہلے یورپ اسی صورتحال سے دوچار تھا، مغربی مورخین نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ یورپ علمی اور اقتصادی میدان میں بارہویں صدی سے پہلے سخت پسماندگی کا شکار تھا۔

عالم اسلام میں اس وقت بڑے بڑے شہروں کو چھوڑیے

دیہات اور قصبات بھی کتب خانے اور مدارس اور اسکالرز سے معمور تھے، وسطی ایشیا سے علم کے پیاسے سیرابی حاصل کرنے کے لیے بغداد اور بصرہ قاہرہ اور قرطبہ کا قصد کرتے تھے، اور مخفی طریقے سے یورپ سے بھی بعض افراد علم حاصل کرنے آتے تھے، اس لیے کہ یورپ میں اس وقت علم کے دروازے بند تھے، عالم اسلام کے بڑے شہروں میں بازار سامان سے بھرے تھے، رات میں چلنے والا بھی سفر میں دشواری کا سامنا نہیں کرتا تھا، ایسے وقت میں جبکہ یورپ میں تاریکی کا دور دورہ تھا، یورپ نے مسلمانوں کی ترقی اور صلیبی جنگوں کے دوران ہر میدان میں ان کی برتری کا مشاہدہ کیا، اور یورپ کے منصف علماء نے اس کا اعتراف کیا ہے کہ یورب میں موجود علم اسلامی ممالک سے ہی آیا ہے، گوستاف لبون نے اپنی کتاب ”حضارۃ العرب“ میں یہ لکھا ہے۔

”جبکہ عرب اور دوسری قومیں بحث وتحقیق میں ایک جیسی تھیں لیکن تم کسی قوم کو برداشت میں عرب سے فائق نہیں پاؤ گے، عرب جب کسی شہر کے حاکم ہوئے تو انہوں نے مسجد کی تعمیر اور مدرسہ کا قیام اپنا مقصد بنالیا، اور اگر وہ شہر بڑا ہوا تو مدارس کا جال بچھادیا، اور ان میں دس مدارس وہ ہیں جن کے بارے میں ابراہیم الطلحی متوفی ۱۷۳۳ء کا بیان ہے کہ انہوں نے ان کا مشاہدہ اسکندریہ میں کیا، اور یہ تعداد بغداد اور قاہرہ طلیطلہ اور قرطبہ جیسے بڑے شہروں کے علاوہ ہے، انہوں نے بڑے عالمی حیثیت کے تعلیمی ادارے قائم کیے، جن میں بڑی لائبریریز تھیں، طلبہ کے قیام وطعام کا نظم تھا، اور ہر وہ چیز جو بحث وتحقیق کی راہ میں معاون ہو، اندلس میں عربوں کے لیے تنہا ستر عمومی کتب خانے تھے، اور خلیفہ الحکم الثانی کے کتب خانے میں جو قرطبہ میں واقع تھا چھ لاکھ کتابیں تھیں، جن میں چوالیس جلدوں میں فہارس تھیں، جیسا کہ عرب کے تاریخ داں حضرات بتاتے ہیں، اور اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ شارل حکیم اپنے ملک فرانس میں نوسو کتابیں مجلد جمع نہیں کرسکا جن میں ایک تہائی علم لاہوت سے متعلق ہوں“۔

یہ اللہ تعالی کی سنت ہے، اس لیے کہ تاریخ حرکت پذیر، اور زمانہ اپنی رفتار سے آگے بڑھتا رہتا ہے، عروج وزوال کا نظام بدلتا رہتا ہے، مغربی سامراج کے دور میں یہ مسلمہ رائے تھی کہ سامراج ایک حقیقت ہے، اور سامراجی ممالک اپنی طاقت او رقوت اور حکمت اور سیاست کے ساتھ ہمیشہ باقی رہیں گے، اگر کوئی سامراجی دور سے آزادی کی بات بھی کرتا تھا تو مغربی تہذیب یافتہ لوگ اس پر ہنستے تھے، اور اس کا مزاق اڑاتے تھے، یہ بات کہی جاتی تھی یہ کیسے ممکن ہے کہ ان لوگوں کو بے یار ومددگار لوگ شکست دے سکتے ہیں جن کے پاس طاقت اور قوت نہیں ہے، برطانیہ نے اپنے اقتدار کے زمانہ میں آزادی کی تحریک کو کچلنے کے لیے تمام وسائل استعمال کیے، لیکن پچاس سال سے کم عرصہ میں آزادی کی تحریک شروع ہونے سے برطانیہ کے فوجی ہندوستان سے اور ایشیا کے دوسرے ملکوں سے نکل گئے، اور وہ تمام ممالک جو سامراج کے غلام تھے، آزاد ہوگئے، تاریخ نے ایک بار پھر کروٹ لی ہے، اور دنیا کی صورتحال بدل رہی ہے، برطانیہ کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ برطانیا کی سرزمین میں سورج نہیں ڈوبتا یہاں تک اس کا رقبہ پھیلا ہوا ہے، اسی لیے اس کو برطانیہ عظمی (Great Britain) کہا جاتا ہے، لیکن اب برطانیہ ٹوٹ چکا ہے، اسکاٹلینڈ علیحدگی کا مطالبہ کررہاہے، آئرلینڈ تو پہلے ہی اس سے علیحدگی کی جدوجہد کررہاہے، چنانچہ اب امکان یہ ہے کہ برطانیہ ایک ضمنی ملک بن کے رہ جائیگا، فرانس جس نے دنیا پر اپنا تسلط جمالیا تھا، اور یورپ کے لیے ایک بڑا خطرہ بن گیا تھا، اپنی نو آبادیات کو اپنا ایک حصہ سمجھتا تھا، آزادی کی تحریک کو کچلنے کے لیے ساری حدیں پار کرچکا تھا، آخر میں اس کو وہاں سے نکلنے پر مجبور ہونا پڑا، جرمنی جس نے ظلم کی شکلیں آزمالیں تھیں، اور دنیا کو خوف وہراس میں مبتلا کر کے رکھ دیا تھا، اس کا بھی یہی انجام

ہوا،دوسرے سامراجی ملک اٹلی ،ہالینڈ ،پرتگال بھی قابل ذکر ہیں، آخر میں روس جو بلاشرکت غیرے آدھی دنیا کا مالک تھا،اوراس کے قانون پر آدھی دنیا چلتی تھی، بکھر کر رہ گیا، امریکہ جو شاہ عالم بن گیا تھا اقتصادی بحران کا شکار ہے، اور اپنے قبضہ کیے ہوئے ملکوں سے نکلنے کی تدبیریں تلاش کررہا ہے، اور ایسا ہوتا رہے گا، قرآن کریم میں آیا ہے:﴿وَتِلْكَ الأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ﴾(آل عمران:۱٤٠)(ہم ان دنوں کو لوگوں کے درمیان ادلتے بدلتے رہتے ہیں)

﴿وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُم مِّن قَرْنٍ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُم مِّنْ أَحَدٍ أَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزاً﴾(سورۃ المریم:۹۸)(اور ہم نے ان سے پہلے بہت سی جماعتیں تباہ کردی ہیں، کیا ان میں کسی ایک کی بھی تو آہٹ پاتا ہے یا ان کی آواز کی بھنک بھی تیرے کان میں پڑتی ہے)

قرآن کریم میں زندگی کی اس تصویر کا اور زمانے کے الٹ پھیر کا ذکر متعدد جگہ آیا ہے، ایک قوم اقتدار سنبھالتی ہے، اور ایک قوم اقتدار سے بے دخل کی جاتی ہے، اقتدار کا حاصل ہونا یا اس سے محروم ہونا یہ کوئی دائمی چیز نہیں، ہر وہ شخص جو بلندی تک جانا چاہتا ہے اور اس کے اسباب اختیار کرتا ہے وہ وہاں تک پہونچ جاتا ہے، مصر تونس اور لیبیا کے واقعات اس کا کھلا ثبوت ہیں، وہ لوگ جو کل تک جیلوں میں تھے ظلم وستم کے پہاڑ ان پر توڑے جارہے تھے، آج وہ حکومت کی باگ ڈور سنبھالے ہوئے ہیں، اور قصر صدارت میں رہنے والے جیل کی اندھیری کوٹھری میں زندگی کے باقی ماندہ دن گزار رہے ہیں، دنیا کے مختلف ملکوں میں حالیہ الیکشن میں اسی طرح کی تبدیلیاں ہوئی ہیں، مسلمان یہ بات جانتے ہیں کہ تمام معاملات اللہ تعالی کے قبضہ تصرف میں ہیں، جس کو چاہے عزت دے، جس کو چاہے ذلت دے، ﴿وَتُعِزُّ مَن تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَن تَشَاءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ إِنَّكَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾(آل عمران:۲٦)اور اس حقیقت کو دنیا میں رونما ہونے والے واقعات نے ثابت کردیا ہے، ایسے ایسے جابر حکمرانوں کو اپنی حکمرانی سے ہاتھ دھونا پڑا جنھوں نے اپنی رعایا کو یرغمال بنالیا تھا، اور لمبی مدت تک ان پر ظلم کرتے رہے تھے، ان کی مخالفت میں آواز اٹھانے والا کوئی نہیں تھا، ان لوگوں کا انجام ذہنوں میں ابھی بھی تازہ ہے، اور یہ انجام ہر ظالم شخص کا مقدر ہوتا ہے، جو حق کو تسلیم نہیں کرتا، کیونکہ حق غالب ہونے کے لیے آیا ہے، اور ظلم سہنے والے اپنا حق ضرور پاتے ہیں، اور آزادی اور سعادت کے وہ حقدار ہوتے ہیں، تاریخ ہمیں یہی بتاتی ہے، اور زمین پر اللہ تعالی کی سنت بھی یہی ہے، حق کا دفاع کرنے والوں کے لیے ان کی تعداد میں کمی کے باوجود اور ظلم کا سہارا نہ لینے کے باوجود زمین ہموار ہے، اور اس تغیر کی بے تحاشا مثالیں موجود ہیں، عالم عربی کے متعدد ملکوں میں اس وقت یہی عمل ہو رہا ہے، جن لوگوں کو یہ موقع ملا ہے، ان کو چاہئے کہ اس حقیقت کا ادراک کریں کہ دوام صرف حق کو اور عدل اور انصاف کو ہے، اور ظلم اور وبربریت کے ذریعہ اور دوسروں کو محروم کرکے حکومت کرنے والوں کو بقاء حاصل نہیں ہوتی، اسی طرح انتقام اور انانیت بھی حکومت کی بقاء کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے، اسلام کی صفات میں عفو اس کی سب سے بڑی صفت ہے، بیشک دنیا نے ایسے طاقتور لوگوں کا تجربہ کرلیا جنھوں نے رعایا پر مظالم ڈھائے، اور ایسی تہذیبوں کا تجربہ کرلیا جنھوں نے دنیا کو بگاڑ کی طرف ڈھکیل دیا، اور ان کا بدترین انجام بھی دیکھ لیا، اور اب وہ ایسی نئی حکومت کے قیام کی متمنی ہے جو لوگوں کے درمیان انصاف کرے، اور خیر اور سلامتی پھیلانا اس کا مقصد اصلی ہو، جبکہ فساد خشکی اور تری میں ظاہر ہو چکا ہے لوگوں کے اپنے کرتوت کی وجہ سے، امن اور سلامتی مفقود ہو چکی ہے، اب دنیا انسانیت کی صبح صادق کی امید کررہی ہے، اور انتظار کررہی ہے کہ کون اس ذمہ داری کے بار کو اٹھائے گا اور اس کی ادائیگی کرکے تاریخ میں نئی مثال قائم کرے گا۔

(ترجمہ: خلیل حسنی ندوی)

عید کا چاند آپ سے مخاطب ہے !

مولانا شمس الحق ندوی

آج آپ نے جس فرحت وانبساط اور جس اشتیاق و بے تابی کے ساتھ میرا استقبال کیا اس کے لیے میں تہہ دل سے آپ سب کا شکر گذار ہوں، آپ کی یہ خوشی بالکل بجا ہے، اس مبارک موقع پر آپ جتنے صاف ستھرے بنیں، نہائیں دھوئیں، جوڑے بدلیں، خوشبو لگائیں، ایک دوسرے سے بڑھ کر مصافحہ کریں، مبارک باد دیں، کھائیں کھلائیں، دیں دلائیں اور سب مل کر جتھے بنا بنا کر جوق در جوق، فوج در فوج دوگانہ عید ادا کرنے کے لیے نکلیں وہ کم ہے، دراصل یہ اس مہینہ کی عبادت وریاضت کا ثمرہ اور اس کی محنت وجانفشانی کا انعام ہے جو رب العالمین نے آپ کو عطا فرمایا ہے، اس لیے میری طرف سے آپ سب کو عید کی مبارک باد!

عید مبارک ہو، یہ منظر کیسا دیدنی ہے کہ ہر کہ ومہ عالم وجاہل، آقا وغلام ایک ہی صف میں ایک رخ کو ایک مرکز کو قبلہ کعبہ بنا کر، کاندھے سے کاندھا ملا کر کھڑا ہے اور کتنے بے مثال اتحاد کا مظاہرہ کر رہا ہے، آپ کی اس قدر دانی پر میں آپ کا مشکور ہوں اور مجھے امید ہے کہ ان جذبات کے جواب میں آپ مجھے بھی لب کشائی کا موقع دیں گے۔

آج آپ یقیناً خوش ہیں اور اس سالانہ جشن پر خوش ہونا ہی چاہیے، مگر مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ شاید آپ کی خوشی اور غیروں کی خوشی میں کوئی امتیاز باقی نہیں رہ گیا ہے، یہ جو کچھ آپ نے کیا ہے یہ تو دوسرے بھی اپنے تیوہاروں کے موقع پر کرتے ہیں، میں آپ کے چہروں پر وہ حقیقی مسرت نہیں دیکھ رہا ہوں جو آپ کے اور میرے رب کو عزیز وپسند ہے، آپ کے چہروں پر یقین کا وہ نور اور عشق کا وہ سرور نہیں جو مومن کی پہچان ہے۔

آپ یقیناً ایک دوسرے سے ملے ہوئے صف بستہ کھڑے ہیں، ان ملے ہوئے جسموں کے فاصلے بہت کم ہیں، مگر دلوں میں مشرق ومغرب کا بعد ہے، بظاہر آپ کتنے متحد نظر آرہے ہیں مگر یہ بات واقعہ کے کس قدر خلاف ہے، آپ ایک دوسرے سے کتنے بے گانہ ہیں، آپ کے خیالات مین کتنا اختلاف ہے! تلخ نوائی معاف ہو تو عرض کروں کہ آج کفر وضلالت کی ساری طاقتیں آپ کے خلاف متحد ہیں، انہوں نے آپ کو بالکل اس طرح سے گھیر لیا ہے جیسے کھانے والے دسترخوان کو گھیر لیتے ہیں۔

اس کے باوجود آپ آپس میں کٹے ہوئے اور بیگانہ ہیں، حالانکہ آپ کی قومی خصوصیت تو یہ ہے کہ ''المسلمون کل الجسد الواحد إذا اشتکی عضو منہ تداعی سائر الجسد إلی السھر والحمی ''مسلمان ایک جسم واحد کی طرح ہیں کہ جسم کے ایک حصہ میں درد ہوتا ہے تو پورا جسم کرب وبے چینی اور بخار وبے خوابی میں مبتلا ہو جاتا ہے، مگر میں دیکھ رہا ہوں آپ کے جسم کا ایک جوڑ دوسرے سے نہ صرف جدا ہو رہا ہے بلکہ اس کے درپئے آزار ہے۔

آج آپ کے یہاں عید کی بڑی چہل پہل ہے، دھوم دھام ہے، آپ دوگانۂ شکر ادا کرنے کے لیے جمع ہوئے ہیں لیکن کیا آپ پر حضوری دل کی کیفیت بھی طاری ہوئی، کیا ایسا نہیں کہ جب آپ کے جسم عیدگاہ میں تھے تو دل محفلوں میں پارٹیوں، دعوتوں اور ایک جگہ سے دوسری جگہ آتے جاتے جتھوں اور ٹولیوں میں لگے ہوئے تھے، کیا آپ نے جتنا اہتمام اپنی زیبائش وآرائش کا کیا، ہفتوں پہلے جوڑوں کی فکر کی اگر نہیں تو قرض لے کر انتظام کیا، کیا اتنا ہی اہتمام احکامات صدقۂ فطر کا اور اپنے پریشان حال بھائیوں کا بھی کیا، ان فقراء ومساکین کے لیے آپ کی مٹھی کھلی جو نان شبینہ کو ترس رہے ہیں، جن کو دینے دلانے کی آج خاص طور سے ہدایت ہے۔

(باقی صفحہ:۱۶/ پر)

مفتی راشد حسین ندوی

زکوۃ کے چند اہم مسائل

زکوٰۃ ارکان اسلام میں سے ایک اہم رکن ہے ، آنحضرت ﷺ نے اس کو ان پانچ چیزوں میں سے ایک قرار دیا ہے جن پر دین کی بنیاد ہے، قرآن مجید میں جگہ جگہ نماز کی ادائیگی اور پابندی کے ساتھ ساتھ زکوٰۃ کی ادائیگی کی بھی تاکید کی گئی ہے، اور ادائیگی میں کوتاہی کرنے والے کو سخت ترین وعید سنائی گئی ہے، چنانچہ اللہ کا ارشاد ہے ﴿وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيْمٍ ☆ يَوْمَ يُحْمَىٰ عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوَىٰ بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِأَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ﴾ (التوبة: ٣٤-٣٥) (جو لوگ اپنے پاس سونا چاندی جمع کرتے ہیں اور اس کو اللہ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے تو (اے نبی ﷺ) آپ ان کو ایک درد ناک عذاب کی خبر دیدیجئے، یہ درد ناک عذاب اس دن ہوگا جس دن اس سونے اور چاندی کو آگ میں تپایا جائے گا پھر اس سے ان کی پیشانی، پہلو اور پشت کو داغا جائے گا، اور کہا جائے گا یہ ہے وہ خزانہ جس کو تم نے اپنے لئے جمع کیا تھا، سو آج تم اس خزانہ کا مزہ چکھو جس کو تم نے اپنے لیے جمع کیا تھا)۔

اللہ ہمیں محفوظ رکھے سخت ترین وعید ہے، ہمارے معاشر میں ادائیگی زکوٰۃ سے کوتاہی دو طرح سے ہو رہی ہے، بعض لوگ دین سے غفلت کی وجہ سے اس کی بالکل فکر ہی نہیں کرتے، اور دوسرے ارکان ہی کی طرح اس اہم رکن سے بھی غافل ہیں، اللہ تعالی ان کو سمجھ عطا فرمائے کہ آخر ڈھائی فیصد زکوٰۃ نکال دینے سے مال میں کونسی کمی واقع ہو جائے گی؟ جب کہ اللہ نے قرآن میں یہ بھی واضح طور سے فرمایا ہے کہ زکوٰۃ ادا کرنے سے مال گھٹتا نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالی اس میں اضافہ فرماتا ہے، زکوٰۃ کی ادائیگی کر دینے سے انسان نہ معلوم کتنے فتنوں، بیماریوں اور مقدموں سے محفوظ ہو جاتا ہے، ساتھ ہی اللہ کی رضا اور خوشنودی حاصل ہوتی ہے۔

دوسرا طبقہ وہ ہے جو زکوٰۃ کی ادائیگی تو کرتا ہے، لیکن بغیر حساب کتاب کیے ہوئے الل ٹپ ادائیگی کر دیتا ہے، اس صورت میں اگر زیادہ مقدار ادا کر دی تب تو ٹھیک ہے لیکن کبھی ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ واجب مقدار ادا کرنے سے رہ جائے اس صورت میں وہ گنہگار ہوگا، لہٰذا زکوٰۃ کی ادائیگی مکمل حساب کر کے کرنی چاہیے، ذیل میں ہم اس کی کچھ تفصیلات بیان کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اموال زکوٰۃ: جن چیزوں پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے، بنیادی طور پر وہ چار ہیں (۱) جانور، (۲) سونا، (۳) چاندی (روپئے بھی سونا چاندی ہی کے حکم میں شمار ہوتے ہیں)، (۴) مال تجارت۔

جانوروں کی زکوٰۃ کے سلسلہ میں احادیث مبارکہ اور فقہی کتابوں میں خاصی تفصیلات آئی ہوئی ہیں، لیکن ایک تو جتنی مقدار میں جانور ہونے پر زکوٰۃ واجب قرار دی گئی ہے اتنی مقدار میں مویشی اور جانور بہت کم لوگوں کے پاس ہوتے ہیں، پھر ان میں ایک شرط یہ بھی ہے کہ سال کے اکثر حصے میں چرنے پر اکتفاء کرتے ہوں تبھی زکوٰۃ واجب ہوگی، اور ہمارے علاقوں میں اس شرط کا پایا جانا ناممکن ہے، لہٰذا مویشیوں کی زکوٰۃ کی بحث کی ضرورت نہیں ہے۔

بقیہ تین چیزوں کی شرائط بہت سے لوگوں پر پوری ہو جاتی ہیں، لہٰذا ہم ان کی کچھ تفصیلات بیان کر دیتے ہیں:

احادیث میں سونے کا نصاب بیس مثقال بیان کیا گیا ہے، جو اصل تولے کے اعتبار سے ساڑھے سات تولے کے برابر ہے، اور گرام کے اعتبار سے یہ مقدار ۸۷ رگرام سے کچھ

ہے، جو اصل تولے کے اعتبار سے ساڑھے سات تولے کے برابر ہے، اور گرام کے اعتبار سے یہ مقدار ۸۷ر گرام سے کچھ زائد ہوتی ہے، اور احادیث میں چاندی کا نصاب دوسو درہم بیان کیا گیا ہے، اصل تولہ کے اعتبار سے یہ ساڑھے باون تولے کے برابر ہے، یہ مقدار گرام کے اعتبار سے ۶۱۲ر گرام سے کچھ زائد ہوتی ہے، جہاں تک اموال تجارت اور نقد روپیوں کا تعلق ہے تو ان دونوں کا تعلق سونے اور چاندی کے نصاب سے ہوتا ہے، یعنی اگر دونوں میں سے کسی کے بھی اعتبار سے نصاب تک پہونچ جائیں تو سال گزرنے پر زکوٰۃ واجب ہو جا چونکہ سونے کے بہ نسبت آج کے زمانہ میں چاندی خاصی سستی ہے لہٰذا ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ اموال تجارت اور نقد روپۓ اتنی مقدار میں ہوں کہ ان سے ساڑھے باون تولہ چاندی خریدی جاسکتی ہے تو زکوٰۃ واجب ہوجائے گی۔

زکوٰۃ کی فرضیت کی ایک اہم شرط یہ بھی ہے کہ قمری مہینوں کے اعتبار سے سال پورا ہوجائے، اس سے پہلے نکالنا واجب نہیں ہوتا ہے، لیکن اگر کوئی چاہے تو سال پورا ہونے سے پہلے بھی ادائیگی کرسکتا ہے یہ بھی کرسکتا ہے کہ تھوڑا تھوڑا کرکے نکالتا رہے، سال پورا ہونے پر مکمل حساب کرلے۔

سامانِ تجارت کی زکوٰۃ نکالنے میں ایک اہم بات یہ بھی ہے کہ سامان کی خرید کی قیمت کے بجائے فروخت کی قیمت کا اعتبار کیا گیا ہے، البتہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک سال پورا ہوتے وقت سامان کی جو قیمت رہی ہو اس کا اعتبار کیا جائیگا جبکہ صاحبین کے نزدیک جس وقت زکوٰۃ ادا کررہا ہے اس وقت کی قیمت کا اعتبار ہوگا، ان دونوں رایوں میں صاحبین کی رائے پر عمل کرنے میں احتیاط زیادہ ہے، اس لئے کہ شریعت میں اصلاً تو خود اسی سامان کا چالیسواں حصہ واجب ہوتا ہے جسکی زکوٰۃ ادا کررہا ہے، قیمت تو محض اس کا بدل اور عوض ہے، لہٰذا ضروری ہے کہ ادائیگی کے وقت اتنی رقم ادا کرے جس میں اس سامان کا بدل بننے کی صلاحیت موجود ہو، خاص طور سے زمینوں کی خرید وفرخت کرنے والوں کو اس پر زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے، اس لئے کہ زمین کی قیمت میں سال بہ سال خاصا فرق واقع ہوجاتا ہے۔

شیئرز پر زکوٰۃ: زکوٰۃ ہر طرح کے تجارتی سامان پر واجب ہے، خواہ وہ مویشیوں کی تجارت ہو یا گاڑیوں کی یا زمین کی، اور چونکہ شیئرز بھی سامان تجارت میں داخل ہیں لہٰذا ان پر بھی زکوٰۃ فرض ہے، اگر کسی نے شیئرز اس مقصد سے خریدے ہیں کہ ان پر سالانہ منافع حاصل کریگا ان کو فروخت نہیں کریگا تو اس کو اپنی کمپنی سے تحقیق کرنی چاہیئے کہ اس کے کتنے اثاثے جامد ہیں یعنی بلڈنگ اور مشنری وغیرہ کی شکل میں اور کتنے اثاثے نقد خام اور تیار مال کی شکل میں ہیں، جتنے اثاثے جامد ہوں ان پر زکوٰۃ نہیں ہوگی، اور جتنے اثاثے نقد یا خام اور تیار مال کی شکل میں ہوں ان پر زکوٰۃ واجب ہوگی، اور اگر کمپنی کے اثاثوں کی تفصیلات نہ مل سکیں تو اس صورت میں احتیاطاً پوری قیمت کی زکوٰۃ ادا کردیجائے۔

اور اگر شیئرز اس مقصد سے خریدے ہیں کہ جب بازار میں ان کی قیمت بڑھ جائے گی تو ان کو فروخت کرکے نفع کمائیں گے تو اس صورت میں پورے شیئرز کی پوری بازاری قیمت پر زکوٰۃ واجب ہوگی، مثلاً آپ نے پچاس روپئے کے حساب سے شیئرز خریدے اور مقصد یہ تھا کہ جب ان کی قیمت بڑھ جائے گی تو ان کو فروخت کرکے نفع حاصل کریں گے اس کے بعد جس دن آپ نے زکوٰۃ کا حساب نکالا، اس دن شیئرز کی قیمت ساٹھ روپئے ہوگئی تو اب ساٹھ روپئے کے حساب سے ان شیئرز کی مالیت نکالی جائے گی اور اس پر ڈھائی فیصد کے حساب سے زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی۔

پراویڈینٹ فنڈ میں زکوٰۃ: زکوٰۃ فرض ہونے کی ایک اہم شرط یہ بھی ہے کہ اس پر انسان کا مکمل قبضہ بھی ہو، اسی وجہ سے فقہاء نے فرمایا ہے کہ اگر کسی کو قرض دیا اور بعد میں قرضہ لینے والا اس سے انکار کررہا ہے، بظاہر اس کا واپس ملنا دشوار ہے یا کسی جگہ گاڑ کر بھول گیا، یا کسی دریا وغیرہ میں گرگیا تو ان روپیوں کی زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، پھر جب غیر متوقع طور پر یہ مال مل جائے تو گذرے ہوئے سالوں کی زکوٰۃ اس پر واجب نہیں ہوگی، یہ رقم

جس وقت ملی ہے اس وقت سے اس کا حساب لگایا جائیگا (ھدایہ ج ا ص ۱۸۷) جہاں تک پراویڈنٹ فنڈ کا تعلق ہے تو اس میں ایک حصہ وہ ہوتا ہے جو حکومت اس میں ملا کر دیتی ہے، جہاں تک اس دوسری اضافی رقم کا تعلق ہے تو خواہ اس کو انعام کہا جائے یا اجرت ملازم اس کا ابھی مالک نہیں ہوتا ہے، لہٰذا اس پر گذرے ہوئے دنوں کی زکوٰۃ واجب ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے، قابل بحث صرف فنڈ کا وہ حصہ ہے جو ملازمت کے درمیان تنخواہ سے کٹ کر جمع ہوتا ہے، اس کا معاملہ بھی یہ ہے کہ ملازمین کو اگرچہ اس پر ملکیت حاصل ہوتی ہے، لیکن اس پر قبضہ حاصل نہیں ہے لہٰذا اس رقم پر بھی گذرے ہوئے دنوں کی زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، علماء محققین کا رجحان اسی طرف ہے۔

قرض کا منہا کرنا: اگر کوئی شخص مالکِ نصاب ہے، لیکن ساتھ ہی وہ مقروض بھی ہے تو قرض کے بقدر مال پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، اگر قرض کے بقدر منہا کرنے کے بعد بھی نصاب کے بقدر مال باقی بچ رہا ہے تو اس پر اسی کے بقدر زکوٰۃ واجب ہو جائے گی۔

حاجات اصلیہ میں زکوٰۃ نہیں ہے: جن چیزوں کا تعلق انسان کی ضروری حاجات سے ہوتا ہے وہ اموالِ زکوٰۃ میں شمار نہیں کی جاتی ہیں جیسے رہائشی مکانات، سواری کی گاریاں اور ٹریکٹر وغیرہ، چاہے یہ اشیاء کئی ہوں اور ان کو کرایہ پر اٹھاتا ہو تب بھی ان پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی ہے۔

زکوٰۃ کے مستحقین: زکوٰۃ کے مصارف قرآن مجید میں تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں، اس کے متعلق خلاصہ کلام یہ ہے کہ زکوٰۃ صرف انھیں لوگوں کو دیجا سکتی ہے جو فقیر یا مسکین ہوں یعنی جن کے پاس یا تو مال ہی نہ ہو یا اگر ہو تو نصاب تک نہ پہنچتا ہو، یہاں تک کہ اگر ان کی ملکیت میں ضرورت سے زائد ایسا سامان موجود ہے جو ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت تک پہنچ جاتا ہے تو وہ مستحق زکوٰۃ نہیں ہے، مستحق زکوٰۃ وہ ہے جس کے پاس ساڑھے باون تولہ چاندی کی ملکیت کی رقم یا اتنی مالیت کا کوئی سامان ضرورت سے زائد نہ ہو، اس میں بھی شریعت کا حکم یہ ہے کہ مستحق کو مالک بنا دیا جائے، وہ جس طرح چاہے اس میں تصرف کرے، اسی لئے بلڈنگ کی تعمیر میں زکوٰۃ نہیں لگ سکتی، نہ ہی کسی ادارے کے ملازمین کی تنخواہ میں لگ سکتی ہے، اسی طرح تجہیز و تکفین کی ضروریات میں بھی زکوٰۃ کی رقم لگانا درست نہیں ہے۔

زکوٰۃ ادا کرنے والے کو چاہیے کہ اچھی طرح تحقیق کر کے صحیح مصرف میں لگانے کی کوشش کرے، افضل یہ ہے کہ سب سے پہلے اپنے عزیز و اقارب اور پڑوسی میں مستحقین کی تلاش کرے، رشتہ داروں میں زکوٰۃ ادا کرنے سے ڈبل ثواب ملتا ہے، ایک تو زکوٰۃ ادا کرنے کا دوسرے صلہ رحمی کرنے کا، البتہ دو رشتے ایسے ہیں جن میں زکوٰۃ کی ادائیگی کرنا درست نہیں ہے، ایک ولادت کا رشتہ ہے جس کے تحت تمام اصول و فروع آتے ہیں، چنانچہ اپنے باپ، دادا، نانا، نانی، دادی اور ان سے اوپر والوں کو زکوٰۃ ادا کرنا درست نہیں ہے، اسی طرح بیٹے، پوتے، بیٹی، پوتی، نواسہ، نواسی اور ان سے نیچے والوں پر زکوٰۃ ادا کرنا درست نہیں ہے، دوسرا نکاح کا رشتہ ہے چنانچہ شوہر بیوی کو اور بیوی شوہر کو زکوٰۃ ادا نہیں کر سکتی، ان دو رشتوں کے علاوہ تمام رشتہ داروں کو زکوٰۃ دینا جائز ہے، جیسے: بھائی ، بہن، چچا، پھوپھی اور خالہ وغیرہ، لیکن شرط یہ ہے کہ جس کو زکوٰۃ دی جا رہی ہے وہ زکوٰۃ کا مستحق ہو، یہ بھی خیال رہے کہ اپنے اقارب کو اگر یہ بتا کر زکوٰۃ دی جائے کہ یہ زکوٰۃ کی رقم ہے تو ہو سکتا ہے کہ وہ عار محسوس کریں، اسی لیے شریعت نے یہ سہولت دی ہے کہ زکوٰۃ دیتے وقت اس کا زکوٰۃ ظاہر کرنا ضروری نہیں ہے۔

مستحق ہونے کے ساتھ ساتھ ایک ضروری شرط یہ کہ مستحق مسلمان ہو چنانچہ غیر مسلم مستحق کو زکوٰۃ کی رقم دینا درست نہیں ہے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''زکوٰۃ مسلمان مالداروں سے لی جائے گی اور نادار مسلمانوں پر صرف کی جائے گی''۔ واللہ اعلم

عبدالسبحان ناخداندوی

رمضان المبارک قرآن کریم کی روشنی میں

اس مبارک مہینہ کو یہ شرف حاصل ہے کہ اللہ کے کلام میں اس کا نام آیا ہے، اس کے علاوہ کسی اور مہینہ کو یہ شرف حاصل نہ ہوسکا، اسی طرح تنہا رمضان کا مہینہ یہ فضیلت رکھتا ہے کہ اسلام کے ایک عظیم رکن کو اس کے ساتھ خاص کیا گیا، وہ بھی اس طرح کہ اس مہینہ کے علاوہ کسی دوسرے مہینہ اس کی ادائیگی ممکن ہی نہیں، یہاں تک کہ نبی اکرم ﷺ کے ارشاد کے مطابق قصداً بغیر کسی عذر کے اس مبارک مہینہ کا ایک روزہ بھی چھوڑ دیا جائے تو زندگی بھر کے روزے مل کر بھی اس کا بدل نہیں بن سکتے، اسی طرح قرآن کریم کے مطابق اسی مہینہ میں ایک ایسی رات ہے جو نہایت قدر و منزلت رکھتی ہے، اتنی زیادہ کہ ہزار مہینے مل کر بھی اپنے لیے وہ قدر و منزلت پیدا نہیں کر سکتے جو تنہا اس رات کو حاصل ہے، اسی میں قرآن نازل ہوا، اس میں فرشتے زمین پر اترتے ہیں، اسی میں اللہ کی طرف سے فیصلے صادر کیے جاتے ہیں گویا رحمتیں اس رات میں بارش کی طرح برستی ہیں اور آسمان کا زمین سے ایک خاص تعلق قائم ہوتا ہے، اللہ کے فرشتیوں سے جن میں حضرت جبرائیل امین بھی ہوتے ہیں یہ پوری زمین جگمگا اٹھتی ہے، کل انسانیت کے لیے یہ رات سلامتی کا پیغام ہے " **سلامٌ ھیا حتیٰ مطلع الفجر** " یہ رات سراسر سلامتی ہے، دوسرے دن فجر کے طلوع ہونے تک گویا تمام دنیا و انسانیت کو سلامتی کا پیغام سنایا جاتا ہے، یہ درحقیقت نزول قرآن کی یادگار ہے، جو چودہ سو سال پہلے عمل میں آیا تھا، کل انسانیت تباہی کے دہانے پر تھی بس کوئی لمحہ تھا جو اسے تباہی کے عمیق غار میں گرا کر ہمیشہ کی نیند سلا دیتا، اس موقعہ پر اسی رات قرآن کا نزول ہوا اور صاحب قرآن ﷺ نبوت سے سرفراز کیے گئے اور کل انسانیت کی سلامتی کا سامان کیا گیا، گویا انسانوں کو دنیا میں جینے کا حق مل گیا، ورنہ دنیا کے انسانوں نے اپنے آپ کو نیست و نابوت کرانے میں کونسی کسر نہیں چھوڑی تھی " **و کنتم علیٰ شفا حفرۃ من النار فأنقذکم منھا** " (تم تو سب جہنم کے گڑھے کی کگار پر پہنچ چکے تھے کہ اب گرے تب گرے، اللہ نے تمہیں اس سے بچایا) اسی لیے سال میں جب بھی یہ مبارک رات آتی ہے اللہ کے مکرم فرشتے امن و سلامتی کا پیغام لے کر دنیا میں آتے ہیں۔

قرآن کریم کی رو سے رمضان کے روزوں کا مقصد تقوی کی شان پیدا کرنا ہے، یعنی دل کی دنیا میں ایک مبارک انقلاب آجائے، جس کے بعد دنیا دکھاوے کے کاموں سے جی کھٹا ہو جائے، ہر کام میں خدا پرستی کی روح یوں کارفرما ہو کہ بس زندگی کا لطف آجائے، حقیقت بھی یہی ہے کہ خدا طلبی کے جذبہ سے سرشار کام ہی زندگی میں رنگ بھرتے ہیں، دکھاوے کی زندگی ایک بوجھ ہے، اس مصنوعی نظامِ تنفس سے آخر کب تک انسان جی سکتا ہے، روزہ درحقیقت انسان کو تمام مخلوقات سے بے نیاز ہو کر ایک خدا کے لیے کام کرنے کا سلیقہ سکھاتا ہے، ہزار دفعہ موقعہ ملنے کے باوجود سچا روزہ دار اپنے روزے میں خلل پیدا ہونے نہیں دیتا، اس لیے کہ یہی تصور ذہن دماغ میں کارفرما ہوتا ہے کہ روزہ خراب کر کے لوگوں کے سامنے روزہ دار بنے بھی رہے تو آخر کیا فائدہ اللہ کے سامنے تو روزے دار نہیں رہے، بس یہی تقوی کی روح ہے، زندگی کے مختلف شعبوں میں تقوی کی اس روح کو بیدار کرنے کے لیے روزے فرض کیے گئے، مبارک ہیں وہ لوگ جو اس ماہ صیام سے تقوی کا درس لیتے ہیں، جس کے میدان کی پوری زندگی روزے ہی کا ایک عملی نمونہ بن جاتی ہے، گویا تقوی ان کی زندگی میں ایک خط فاصل کھینچ دیتا ہے، جس سے صحیح اور غلط کے درمیان شعوری تمیز پیدا ہو جاتی ہے، اور "لوگ کیا کہیں گے" کے پرفریب وار سے نکل کر انسان "اللہ دیکھ رہا ہے" کہ سچے میدان میں قدم رکھتا ہے، یہیں سے وہ

انقلاب پیدا ہوتا ہے جو ساری زندگی پر حاوی ہو جاتا ہے۔

قرآن کریم نے رمضان المبارک کے روزوں کے ذکر کے دوران دعا کی اہمیت کو بڑے پر اثر طریقہ سے بیان کیا ہے، انداز بیان بھی اس قدر البیلا کہ بس بندہ قربان ہو جائے، ارشاد ہے: "**وإذا سألک عبادي عني فإني قريبٌ أجيب دعوة الداع إذا دعان فليستجيبوا لي و ليؤمنو بي لعلهم يرشدون**" (جب میرے بندے آپ سے میرے بارے مین پوچھیں تو بتایئے کہ میں بہت قریب ہوں، پکارنے والا جب بھی مجھے پکارتا ہے میں اس کی پکار سنتا ہوں، لوگوں سے کہیے کہ مجھ سے مانگتے رہیں اور مجھ ہی پر ایمان رکھیں تا کہ وہ سیدھے راستہ پر رہیں)، اس آیت سے پہلے اور بعد رمضان کی عبادت و مسائل کا ذکر ہے، درمیان اچانک دعا کی قبولیت اور اپنے قریب ہونے کو بتانے کا یہ البیلا انداز خود یہ بتانے کے لیے کافی ہے کہ ماہِ رمضان زندگی کی بہار ہے، عمل کے مرجھاتے ہوئے پھول اگر اس مہینہ میں بھی شگفتگی نہ پا سکے تو پھر ایسا زمانہ آنے والا نہیں، اس مہینہ میں اگر کوئی اپنی مغفرت نہ کروا سکا تو پھر اس سے بڑھ کر عمل کا اپاہج کوئی نہیں، آپ ﷺ کے سامنے حضرت جبرئیل نے ایسے شخص پر لعنت فرمائی جس پر رمضان کا پورا مہینہ گزر جائے پھر بھی وہ اپنے لیے مغفرت کا سامان نہ کر سکے، فرمایا ہلاک ہو جائے وہ شخص جسے رمضان کا مہینہ ملے پھر بھی اس کی مغفرت نہ ہو سکے، آپ ﷺ نے اس پر آمین فرمائی، یعنی اس کا اظہار فرمایا کہ واقعی ایسے شخص کو برباد ہونا چاہیے۔

قرآن کریم نے رمضان کی جو حقیقت اور حیثیت بتائی ہے اور آپ ﷺ نے اس کی جو مکمل تشریح فرمائی ہے وہ پوری امت کے نام ایک پیغام ہے، امت کے اجتماعی حالت کو ناپنے کا ایک معیار ہے، جو اس معیار پر پورا اترا وہی حقیقی روزہ دار ہے، ورنہ روزے جیسی عبادت کو بھی اگر ایک رسم کے طور پر انجام دیا جائے تو سمجھ لینا چاہیے کہ رسمیں صرف ایک ظاہری شکل و صورت رکھتی ہیں حقیقی انقلاب ان سے نہ کبھی پیدا ہوا ہے نہ ہوگا۔

بقیہ: عید کا چاند آپ سے مخاطب ہے!

آج سے ٹھیک ایک ماہ پہلے بھی میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا اور رحمت و مغفرت آگ سے خلاصی کا اعلان کر گیا تھا، میں شب بیداری و شب زندہ داری، اعتکاف و شب قدر، افطار و سحر کے کیا کیا فضائل سنا گیا تھا، لیکن ذرا دل پہ ہاتھ رکھ کر بتایئے کہ جتنا آپ کھانے، افطار و سحر کا اہتمام کرتے تھے کیا اتنا ہی اہتمام احتساب و اخلاصِ نیت کا بھی کرتے تھے، تراویح آپ نے اس طرح ادا کی کہ جلد سے جلد ختم کرنے کی دھن تھی، اکثر لوگوں نے پہلے عشرہ مین ختم کیا، دوسرا تیسرا عشرہ سونا سونا گذرا، کیا صرف ختم مقصود تھا یا پورے مہینہ کی تراویح کا معتدل اہتمام ختم کا ایک بار تھا جس کو آپ نے جلد سے جلد اپنے کاندھوں سے اتار پھینکا۔

مجھ سے ایک مرتبہ آپ کے ایک بھائی نے شکایت کی تھی کہ "اے چاند! تو جنگلوں، ویرانوں، صحراؤں اور چٹانوں، پہاڑوں، غاروں، شہروں اور دیہاتوں کو منور کرتا ہے تو دل کی دنیا کو کیوں منور نہیں کرتا، سچ کہیے کیا میں ایک ماہ قبل دلوں کی دنیا ہی کو منور کرنے نہیں آیا تھا، آپ نے کتنا نور حاصل کیا؟ پھر آپ کی شکایت کس حد تک صحیح ہے؟

مجھے آپ کے چہروں سے محسوس ہو رہا ہے کہ آپ مجھ سے کہنا چاہتے ہیں کہ عید کے دن تو ملنا ملانا، خوش و خرم رہنا، مطلوب ہے پھر اس پر اعتراض کیسے صحیح ہے؟ جی ہاں! مطلوب تو ہے مگر کیا بغیر احتساب کے؟ میں دیر و حرم کا جائزہ لیا، حرم کا رخ کیا تو صدا آئی:

یہی پیرِ حرم ہے جو چرا کر بیچ کھاتا ہے
گلیم بو ذر و دلق اویس و چادر زہرا

میں اپنا سا منہ لیکر یہ کہتا ہوا واپس آیا

حرم رسوا ہوا پیرِ حرم کی کم نگاہی سے

مجھے آپ معاف کریں میں نے بڑی تلخ نوائی سے کام لیا، مگر یہ سوچ کر کہ شاید آپ کو اپنی کوتاہیوں کا احساس ہو اور آپ سنبھل جائیں، ہاں مین ان مخلصین سے معذرت کروں گا جن کی راتیں جاگنے میں گذریں، عجز و ناز سوز و گداز میں گذریں جو برابر اشک سحر گاہی سے وضو کرتے رہے، پچھلے مہینے کے ایک ایک آداب کا خیال ہی نہیں رکھا بلکہ پورا مہینہ جذب و مستی میں گذارا، ذکر و تلاوت میں لگے رہے، حقیقتاً عید تو بس انہیں نیک بندوں کے لیے ہے۔

آپ کے دینی سوالات اوران کے جوابات

(آپ اپنے دینی سوالات ہماری ویب سائٹ پر بھی پوچھ سکتے ہیں) www.abulhasanalinadwi.org

فجر کی سنتوں کی قضا

سوال: کیا فجر کی نماز قضا ہو جائے تو سنت پڑھنا چاہیے؟
(شوکت علی عطار، بجنور)

جواب: اگر زوال سے پہلے فجر کی قضاء کی جائے تو فرض کے ساتھ سنت بھی پڑھی جائے گی، زوال کے بعد صرف فرض کی قضاء کی جائے گی۔

منت کے روزے

سوال: میں نے منت مانگی تھی کہ جب میرا کام ہو جائے گا تو میں گیارہ روزے رکھوں گی، مجھے یہ جاننا ہے کہ یہ روزے کیسے رکھوں؟ (سعدیہ، اٹلی)

جواب: نذر کے واجب ہونے کے بعد نذر کو فوراً پورا کرنا ضروری ہے بشرط یہ کہ کوئی شرعی عذر نہ ہو، چنانچہ اگر آپ نے مسلسل ر روزہ رکھنے کی نذر مانی ہے تو مسلسل روزہ رکھنا ہوگا۔ اور اگر مسلسل رکھنے کی نیت نہیں کی تھی تو گیارہ روزے پورے کرلیں، خواہ مسلسل رکھیں یا چھوڑ چھوڑ کے رکھیں۔

صحیح اور ضعیف حدیث

سوال: کیا حنفی ضعیف اور قوی حدیث کو ایک ہی طرح سے مانتے ہیں؟ اور اگر تمام احادیث (صحیح، حسن، ضعیف، وغیرہ) کو ایک ہی طرح ماننا ہے تو پھر ان کو الگ کیوں کرتے ہیں؟

(محمد عرفان، رائے بریلی)

جواب: صحیح اور ضعیف احادیث کا درجہ یکساں نہیں ہوتا ہے، اسے تمام محدثین وفقہاء تسلیم کرتے ہیں، حضرات احناف بھی اسی کے قائل ہیں، البتہ یہ ممکن ہے کہ احادیث کے اصول میں اختلاف کی وجہ سے کسی کے نزدیک کوئی حدیث ضعیف ہو اور وہی حدیث کسی کے نزدیک اپنے اصولوں کی بنیاد پر صحیح ہو۔

زکوۃ کی ادائیگی کا وقت

سوال: کیا زکوٰۃ صرف رمضان میں ہی دینی چاہیے؟ یا سال بھر میں کبھی بھی نیت کر کے دی جاسکتی ہے؟ (علی خاں، لکھنؤ)

جواب: زکوٰۃ کے لیے رمضان کی کوئی قید نہیں، بلکہ سال پورا ہوتے ہی زکوٰۃ فرض ہو جاتی ہے، اور فرض کی ادائیگی میں جلدی کرنا چاہیے۔

داڑھی کی شرعی حیثیت

سوال: (۱) داڑھی رکھنے کی لیے اسلام میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا فرمایا ہے؟ (محمد عالمگیر، کلکتہ)

(۱) مردوں کے لیے داڑھی رکھنا واجب ہے، اس کی مقدار شرعی ایک مشت ہے، داڑھی انبیاء کرام کی متفقہ سنت ہے، اسلامی اور ملی شعار ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دائمی عمل ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فطرت سے تعبیر فرمایا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو داڑھی رکھنے کا تاکیدی حکم فرمایا، لہٰذا داڑھی رکھنا واجب ہے، اس کو منڈوانا حرام اور گناہ کبیرہ ہے، اس پر امت کا اجماع ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دس چیزیں فطرت میں سے ہیں اس میں سے مونچھوں کا کتروانا، داڑھی کا بڑھانا بھی ہے۔

(مسلم، باب خصال الفطرۃ، کتاب الطہارۃ: ۱۲۹)

آفس یا گھروں میں مچھلیاں پالنا

سوال: آفس اور گھروں میں جو مچھلیاں پالنے کا شیشے کا ٹینک ہوتا ہے، اس کو رکھنے کے بارے شریعت اسلامیہ کیا کہتی ہے؟

(شوکت علی عطار، بیجاپور)

جواب: اگر مچھلیوں کے پالنے کے لیے مناسب انتظام رکھا جائے کہ انہیں پانی، غذا اور آکسیجن کی تکلیف نہ ہو، تو جائز ہے۔

مردوں کے کان پر بال کا حکم

سوال: مردوں کے کان پر جو بال اگتے ہیں، کیا وہ کاٹ سکتے ہیں؟ (محمد مدثر، بنگلور)

جواب: مردوں کے کان کے اوپر جو بال اگ آتے ہیں ان کا کاٹنا درست ہے۔ (ردالمختار: ۵/۲۳۹)

غیر مسلموں سے تعلقات

محمد نفیس خاں ندوی

اسلام اپنی خصوصیات اور اپنی تعلیمات ونظریات کی بنیادوں پر ایک مستقل تہذیب کا حامل ہے، وہ اپنے ماننے والوں کو زندگی گذارنے کا ایک طریقہ، بود وباش کے مستقل اصول، اور معاشرت کے ٹھوس احکام دیتا ہے، لیکن اپنے امتیازات کے باجود وہ اس بات کو ناپسند کرتا ہے کہ مسلمان' معاشرہ میں رہنے والی دوسری اقوام سے بے تعلق اور ان کے معاشرتی مسائل سے ناواقف ہوں۔

اسلام ایک دین فطرت ہے، وہ رہبانیت وسنیاس کے بجائے اجتماعی وتمدنی اصول پر معاشرہ کی بنیاد رکھتا ہے، اور اسے پروان چڑھانے اور مستحکم کرنے کی پوری حوصلہ افزائی بھی کرتا ہے، اس کے ماننے والے انفرادی معاشرہ میں رہتے ہوں یا مخلوط معاشرے میں زندگی بسر کرتے ہوں ہر دو صورت میں وہ غیر مسلموں سے تعلقات کو پسندیدگی نظر سے دیکھتا ہے، اور مسلمانوں کو غیر مسلموں تک اسلامی دعوت کو پہنچانے کی تلقین بھی کرتا ہے، چنانچہ غیر مسلموں سے میل جول اور ان کے ساتھ معاشرتی تعلقات نہ صرف تمدنی زندگی کا ایک حصہ اور سماجی ضرورت ہے بلکہ ایک دینی تقاضا بھی ہے۔

غیر مسلموں کے تعلق سے اسلام نے جو حقوق ومراعات بیان کیے ہیں وہ اعلی اخلاقی تعلیمات اور نوع انسانی کے ساتھ اس کے شریفانہ رویہ کی دلیل ہے، اسلام اگرچہ عقیدہ کے معاملہ میں بے حد حساس واقع ہوا ہے مگر اس کے باجود عام انسانی تعلقات کی اس نے بھر پور رعایت کی ہے، اور ایسے غیر مسلموں کے ساتھ حسن سلوک کو پسند کیا ہے جو اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ معاندانہ رویا نہ رکھتے ہوں۔

اللہ کے رسول ﷺ نے جس طرح وحدت الہ کی تعلیم دی ہے اسی طرح وحدت انسانی کا درس بھی دیا ہے، اور مختلف انداز اور مختلف پیرائے میں اس کو بار بار واضح بھی کیا ہے، چنانچہ آپ نے انسانی رشتوں کی بنیاد رحم دلی، ہمدردی اور آپسی محبت پر رکھتے ہوئے فرمایا :"ارحموا من فی الارض یرحم من فی السماء" یعنی تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔ اسی طرح آپ کا یہ فرمان بھی سنہرے حروف میں لکھے جانے کے لائق ہے کہ" الخلق عیال اللّٰہ فأحب الخلق الی اللّٰہ من احسن الی عیالہ" یعنی مخلوق اللہ کا کنبہ ہے، اور مخلوق میں اللہ کے نزدیک سب سے محبوب وہ ہے جو اس کے کنبہ کے ساتھ بہتر سلوک کرے۔ اسلام کی یہ وہ لازوال تعلیمات ہیں جس میں مسلم اور غیر مسلم کی کوئی تفریق نہیں برتی گئی ہے، بلکہ انسانیت کو سارے تعلقات میں اہم مقام دیا گیا ہے۔

ہمارے ملک ہندستان میں فسطائی طاقت رکھنے والوں کی ہمیشہ سے یہ کوشش رہی ہے کہ مسلم اور غیر مسلم تعلقات کو استوار نہ ہونے دیا جائے، اس کے لیے ہر طرح کے پروپیگنڈوں کا استعمال بھی کیا جاتا ہے، نصابی کتابوں میں زہر لیے مواد داخل کر کے حقائق پر پردہ ڈالا جاتا ہے، فسادات کرائے جاتے ہیں، عبادت گاہوں کے تقدس کو پامال کیا جاتا ہے، نامناسب الزامات لگائے جاتے ہیں، بے جا گرفتاریاں کی جاتی ہیں، نوجوانوں کے مستقبل سے کھلواڑ کیا جاتا ہے، سرکاری اور نیم سرکاری اداروں میں تعصب برتا جاتا ہے، اور اس میں میڈیا کا کردار سب سے اہم ہوتا ہے، ایسے حالات میں مسلمان اپنی دفاع میں کچھ کہنے کی ہمت نہیں کر پاتے، کیونکہ حریف کی آواز میں اتنی شدت ہوتی ہے کہ اس کے سامنے مسلمانوں کی چیخ وپکار بھی دب جاتی ہے، ایسے حالات میں سب سے زیادہ نقصان اس ملک کا ہوتا ہے، اور اس کی ترقی کی رفتار دھیمی پڑ جاتی ہے، اور چونکہ ملک کی ترقی اور اس کی خوشحالی کی اہم ذمہ داری خود

غیر مسلموں سے تعلقات

محمد نفیس خاں ندوی

اسلام اپنی خصوصیات اور اپنی تعلیمات ونظریات کی بنیادوں پر ایک مستقل تہذیب کا حامل ہے، وہ اپنے ماننے والوں کو زندگی گذارنے کا ایک طریقہ، بود وباش کے مستقل اصول، اور معاشرت کے ٹھوس احکام دیتا ہے، لیکن اپنے امتیازات کے باجود وہ اس بات کو ناپسند کرتا ہے کہ مسلمان' معاشرہ میں رہنے والی دوسری اقوام سے بے تعلق اور ان کے معاشرتی مسائل سے ناواقف ہوں۔

اسلام ایک دین فطرت ہے، وہ رہبانیت وسنیاس کے بجائے اجتماعی وتمدنی اصول پر معاشرہ کی بنیاد رکھتا ہے، اور اسے پروان چڑھانے اور مستحکم کرنے کی پوری حوصلہ افزائی بھی کرتا ہے، اس کے ماننے والے انفرادی معاشرہ میں رہتے ہوں یا مخلوط معاشرے میں زندگی بسر کرتے ہوں ہر دوصورت میں وہ غیر مسلموں سے تعلقات کو پسندیدگی نظر سے دیکھتا ہے، اور مسلمانوں کو غیر مسلموں تک اسلامی دعوت کو پہنچانے کی تلقین بھی کرتا ہے، چنانچہ غیر مسلموں سے میل جول اور ان کے ساتھ معاشرتی تعلقات نہ صرف تمدنی زندگی کا ایک حصہ اور سماجی ضرورت ہے بلکہ ایک دینی تقاضا بھی ہے۔

غیر مسلموں کے تعلق سے اسلام نے جو حقوق ومراعات بیان کیے ہیں وہ اعلی اخلاقی تعلیمات اور نوع انسانی کے ساتھ اس کے شریفانہ رویہ کی دلیل ہے، اسلام اگرچہ عقیدہ کے معاملہ میں بے حد حساس واقع ہوا ہے مگر اس کے باجود عام انسانی تعلقات کی اس نے بھرپور رعایت کی ہے، اور ایسے غیر مسلموں کے ساتھ حسن سلوک کو پسند کیا ہے جو اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ معاندانہ رویہ نہ رکھتے ہوں۔

اللہ کے رسول ﷺ نے جس طرح وحدت الہ کی تعلیم دی ہے اسی طرح وحدت انسانی کا درس بھی دیا ہے، اور مختلف انداز اور مختلف پیرائے میں اس کو بار بار واضح بھی کیا ہے، چنانچہ آپ نے انسانی رشتوں کی بنیاد رحم لی، ہمدردی اور آپسی محبت پر رکھتے ہوئے فرمایا: "ارحموا من فی الارض یرحم من فی السماء" یعنی تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان والاتم پر رحم کرے گا۔ اسی طرح آپ کا یہ فرمان بھی سنہرے حروف میں لکھے جانے کے لائق ہے کہ "الخلق عیال اللہ فأحب الخلق الی اللہ من احسن الی عیاله" یعنی مخلوق اللہ کا کنبہ ہے، اور مخلوق میں اللہ کے نزدیک سب سے محبوب وہ ہے جو اس کے کنبہ کے ساتھ بہتر سلوک کرے۔ اسلام کی یہ وہ لازوال تعلیمات ہیں جس میں مسلم اور غیر مسلم کی کوئی تفریق نہیں برتی گئی ہے، بلکہ انسانیت کو سارے تعلقات میں اہم مقام دیا گیا ہے۔

ہمارے ملک ہندستان میں فسطائی طاقت رکھنے والوں کی ہمیشہ سے یہ کوشش رہی ہے کہ مسلم اور غیر مسلم تعلقات کو استوار نہ ہونے دیا جائے، اس کے لیے ہر طرح کے پروپیگنڈوں کا استعمال بھی کیا جاتا ہے، نصابی کتابوں میں زہریلے مواد داخل کرکے حقائق پر پردہ ڈالا جاتا ہے، فسادات کرائے جاتے ہیں، عبادت گاہوں کے تقدس کو پامال کیا جاتا ہے، نامناسب الزامات لگائے جاتے ہیں، بے جا گرفتاریاں کی جاتی ہیں، نوجوانوں کے مستقبل سے کھلواڑ کیا جاتا ہے، سرکاری اور نیم سرکاری اداروں میں تعصب برتا جاتا ہے، اور اس میں میڈیا کا کردار سب سے اہم ہوتا ہے، ایسے حالات میں مسلمان اپنی دفاع میں کچھ کہنے کی ہمت نہیں کرپاتے، کیونکہ حریف کی آواز میں اتنی شدت ہوتی ہے کہ اس کے سامنے مسلمانوں کی چیخ وپکار بھی دب جاتی ہے، ایسے حالات میں سب سے زیادہ نقصان اس ملک کا ہوتا ہے، اور اس کی ترقی کی رفتار دھیمی پڑجاتی ہے، اور چونکہ ملک کی ترقی اور اس کی خوشحالی کی اہم ذمہ داری خود

مسلمانوں کی بھی ہے، اس لیے اہم ترین ذمہ داری ہے کہ ہندو مسلم منافرت کی جو فضا بنائی جا رہی ہے اس کو ختم کرنے کی پوری کوشش کی جائے، اور اس کی مؤثر اور ٹھوس اقدام یہی ہے کہ غیر مسلموں کے ذہنوں کو صاف کی جائے اور اسلام کی حقیقی تصویر ان کے سامنے پیش کی جائے، اور اس کا بہترین طریقہ ان کے ساتھ بہتر تعلقات ہیں۔

لیکن یہ بھی سمجھنا ضروری ہے کہ اسلام نے جس طرح غیر مسلموں سے حسن سلوک کی ہدایت دی ہے اور اس کو پسند کیا ہے وہیں اس کے کچھ حدود بھی متعین کیے ہیں، چانچہ اس نے عام انسانی وسماجی تعلقات کی اجازت ضرور دی ہے لیکن ایسے تعلقات سے منع کیا ہے جس سے اسلام کی تعلیمات پر زد پڑتی ہو چنانچہ غیر مسلموں کی ایسی مجلسوں میں شرکت کی اجازت نہیں جس میں اسلامی تعلیمات یا اسلامی شخصیات کا مذاق اڑایا جاتا ہو، ان کے مذہبی پرگراموں میں شرکت کرنا، ان کے جیسا لباس یا رہن سہن اختیار کرنا، ان کے مذہب کو صحیح سمجھنا، مسلمانوں کے خفیہ رازوں پر ان سے گفتگو کرنا اور ایسی ہم نشینی اختیار کرنا جس کے منفی اثرات اخلاق و کردار پڑتے ہوں، اس طرح کے تعلقات کی قطعی اجازت نہیں ہے۔

لیکن افسوس آج کے حالات کچھ اسی طرح ہیں کہ ایک بڑی تعداد غیر مسلموں سے تعلقات کے نتیجہ میں ان سے اس حد تک متاثر ہے کہ بسا اوقات وہ معاشرہ کے باغی ہو جاتے ہیں اور اسلام کو بدنام بھی کرتے ہیں، آج کل اخبارات میں جب جرائم پیشہ افراد کے نام چھپتے ہیں تو ان میں مسلمانوں کے نام بھی شامل ہوتے ہیں، معاشرہ میں شاید ہی کوئی ایسی برائی ہو جس میں کوئی مسلمان ملوث نہ ہو، چوری، جوا، شراب، فریب، لوٹ، رشوت اور نہ جانے کون کون سی معاشرتی خرابیاں ہیں جن میں سرعام مسلمانوں کے نام اچھالے جاتے ہیں، اور اس سے پورا مسلم معاشرہ بدنام ہوتا ہے، اس کی بنیادی وجہ مسلمانوں کا غیر مسلموں کے ساتھ بغیر کسی اسلامی بندش کے تعلقات رکھنا، پورے طور پر ان کے ساتھ معاشرت اختیار کرنا، اور نتائج سے آنکھیں بند کر کے ان کے اسکولوں میں تعلیم حاصل کرنا اور ان کے ثقافتی پروگراموں میں شرکت کرنا ہے۔

اس لیے ضروری ہے کہ غیر مسلموں سے تعلقات میں افراط وتفریط نہ ہونے پائے، نہ ان سے قربت بڑھائی جائے کہ اسلامی شعار اور ملی تشخص متاثر ہو اور نہ اس قدر دوری اختیار کی جائے کہ وہ مسلمان اور اسلامی تعلیمات کو سمجھ ہی نہ سکیں۔

چاند کو دیکھ کر

اے ہلال و بدر تو قابل ہے میرے پیار کے
تو نے دیکھا روئے انور کو مرے سرکار کے
اک جھلک سے روئے انور کی بنا تو ماہِ نو
نور بڑھتا ہی گیا دیدار سے ہربار کے
کیا حَسیں دیدار تھا جس سے ہوا تو ماہتاب
چاندنی تجھ کو ملی صدقے میں اس دیدار کے
سارے عالم کو ملی ہے جو بھی دولت حسن کی
یہ کرشمے ہیں جمالِ روئے پُر انوار کے
اس سراپا حسن کی یادوں سے ہے سرشار دل
ہو تصدّق سارا عالم اس دِل سر شار کے
جو بھی ہو سر شار پی کر بادۂ عشقِ نبی
میکدہ کا میکدہ قربان اس میخوار کے
عشقِ محبوبِ خُدا سے جو بھی دِل بیدار ہو
عالمِ بیدار صدقے اس دِل بیدار کے
ناز ہے ہم کو کہ ہے ایک نسبت آپ سے
گرچہ ہیں مارے ہوئے ہم ذلّت وادبار کے

جس میں آئی آپ کے دم سے بہار اندر بہار
ہم گلِ تر ہیں اسی اک گلشن بے خار کے

مولانا محمد ثانی حسنیؒ (میزاب رحمت)

صدقۂ فطر

روزہ دار کتنا ہی اہتمام کرے روزہ کے دوران کچھ نہ کچھ کوتاہی ہو ہی جاتی ہے، کھانے پینے اور روزہ توڑنے والی باتوں سے بچنا تو آسان ہوتا ہے لیکن فضول مصروفیات اور نامناسب گفتگو سے مکمل احتراز نہیں ہو پاتا، اس لیے اس طرح کی کوتاہیوں کی تلافی کے لیے شریعت میں رمضان المبارک کے ختم پر صدقۂ فطر کے نام سے گویا کہ روزہ کی زکوٰۃ الگ سے واجب قرار دی ہے، حضرت عبداللہ ابن عباسؓ ارشاد فرماتے ہیں:

"فرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زکوٰۃ الفطر طهرة للصائم من اللغو والرفث وطعمة للمساكين من اداها قبل الصلاة فهی زكوٰة مقبولة ومن اداها بعد الصلاة فهی صدقة من الصدقات "(ابو دائود: ۱٦۰۹)

"آپ (ﷺ) نے صدقہ فطر کو ضروری قرار دیا جو روزہ دار کے لیے لغو اور بے حیائی کی باتوں سے پاکیزگی کا ذریعہ ہے، اور مسکینوں کے لیے کھانے کا انتظام ہے۔ جو شخص اسے عید کی نماز سے پہلے ادا کردے تو یہ عام صدقات میں سے ایک صدقہ ہے۔"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صدقہ فطر واجب ہونے کے دو مقاصد ہیں۔

پہلا مقصد روزہ کی کوتاہیوں کی تلافی۔ دوسرا مقصد امت کے مسکینوں کے لیے عید کے دن رزق کا انتظام۔

اس لیے صاحب وسعت مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ صدقہ فطر بروقت ادا کرنے کا اہتمام کریں، جیسا کہ حدیث بالا میں فرمایا گیا ہے کہ عید کی نماز سے پہلے صدقۂ فطر ادا کرنے کا ثواب زیادہ ہے، اسی بنیاد پر "حضرت عبداللہ ابن عمرؓ عید سے دو تین دن پہلے ہی صدقہ فطر ادا کردیا کرتے تھے۔" (ابوداوٗد: ۱٦۱۰)

اور یہ مناسب بھی ہے تاکہ مستحق حضرات پہلے ہی سے عید کی تیاری کرسکیں۔

جو شخص زندگی کی لازمی ضروریات کے علاوہ اتنی قیمت کے مال کا مالک ہو جس پر زکوٰۃ واجب ہوسکے اس شخص پر عید الفطر کے دن صدقہ فطر ادا کرنا واجب ہے۔

صدقہ فطر کی مقدار نصف صاع گیہوں (یعنی ۱/کلو٦ سو۳۳ گرام) یا ایک صاع جو یا کھجور یا ان چیزوں کی قیمت کے بقدر کوئی دوسری چیز یا نقد روپے ہے۔

عید الفطر کی سنتیں

عید کے دن تیرہ (۱۳) چیزیں مسنون ہیں:

(۱) شرع کے موافق اپنی آرائش کرنا۔ (۲) غسل کرنا۔ (۳) مسواک کرنا۔ (۴) عمدہ سے عمدہ کپڑے جو پاس موجود ہوں پہننا۔ (۵) خوشبو لگانا۔ (٦) صبح کو بہت سویرے اٹھنا۔ (۷) عیدگاہ میں بہت سویرے جانا۔ (۸) عیدگاہ جانے سے قبل کوئی شیریں چیز مثل چھوہارے وغیرہ کا کھانا۔ (۹) عیدگاہ جانے سے قبل صدقۂ فطر دے دینا۔ (۱۰) عید کی نماز عیدگاہ میں جاکر پڑھنا یعنی شہر کی مسجد میں بلا عذر نہ پڑھنا۔ (۱۱) جس راستے سے جائے اس کے سوا دوسرے راستہ سے واپس آنا۔ (۱۲) پیدل جانا۔ (۱۳) اور راستے میں اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ إلا اللہ اللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد آہستہ آواز میں پڑھتے ہوئے جانا۔

R.N.I. No.
UPURD/2009/28748

Postal Reg. No.
RBL/NP - 09

Monthly **Payam-e-Arafat** Raebareli

VOLUME 4

AUGUST 2012

ISSUE 08

اردو مطبوعات

(۱)حدیث نبوی ﷺ (از–علامہ عبدالحی حسنیؒ) 120/-

(۲)قرآنی افادات 250/-

(۳)سیرت رسول اکرم ﷺ 200/-

(۴)رمضان المبارک اور اس کے تقاضے 80/-

(۵)اسلام کے تین بنیادی عقائد 80/-

(۶)مطالعہ حدیث کے اصول ومبادی 30/-

(۷)مالیات کا اسلامی نظام 30/-

(۸)میری علمی ومطالعاتی زندگی 30/-

(۹)حیات عبدالحی زیر طبع

(۱۰)تذکرہ مولانا حکیم ڈاکٹر سیّد عبدالعلی 50/-

از–حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ

(۱۱)مکتوبات مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی (اول) 80/-

(۱۲)مکتوبات مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی (دوم) 150/-

مرتّب مولانا حمزہ حسنی ندوی

(۱۳)تاریخ تدوین حدیث (از–علاّمہ عبدالرشید نعمانیؒ) 110/-

(۱۴)خانوادۂ علم اللّٰہی 150/-

(۱۵)صادقین صادق پور 55/-

(۱۶)مشہد بالاکوٹ (از–حضرت مولانا محمد ثانی حسنیؒ) 18/-

(۱۷)قرآن آپ سے مخاطب ہے 50/-

(۱۸)تذکرہ حضرت شاہ علم اللہ حسنیؒ 70/-

(۱۹)جادۂ فکر وعمل (از–مولانا محمد الحسنیؒ) 60/-

(۲۰)امت مسلمہ (رہبر اور مثالی امت) 110/-

از–مولانا محمد رابع حسنی ندوی

(۲۱)تذکرہ مولانا کرامت علی جونپوریؒ 35/-

از–مولانا مجیب اللہ ندویؒ

(۲۲)نیک صحبت کی ضرورت (از–مولانا عبداللہ حسنی ندوی) 22/-

(۲۳)حدیث کی روشنی 30/-

(۲۴)سوانح مفکر اسلامؒ حضرت مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی 200/-

(۲۵) حضرت مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی
دعوت وفکر کے اہم پہلو 140/-

(۲۶)اصلاح معاشرہ (از–بلال عبدالحی حسنی ندوی) 80/-

(۲۷)تجہیز وتکفین کتاب وسنت کی روشنی میں 60/-

(۲۸)مسلکی اختلافات اور راہ اعتدال 150/-

از مفتی راشد حسین ندوی

عربی کتب

(۲۹)تنویر الآفاق فی شرح تهذیب الأخلاق زیر طبع

(۳۰)الهند فی العهد الإسلامی زیر طبع

(۳۱)الغناء فی الإسلام (از–علامہ عبدالحی حسنی) 65/-

(۳۲)إذا هبت ریح الإیمان 80/-

از–حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی

(۳۳)شرح نزهة النظر فی شرح نخبة الفکر 140/-

از–علامہ وجیہ الدین گجراتی

(۳۴)مع الحقیقة 50/-

(۳۵)أضواء علی الطریق (از–مولانا محمد الحسنیؒ) 50/-

(۳۶)مبادی و أصول فی علم حدیث الرسول ﷺ 18/-

از–بلال عبدالحی حسنی ندوی

(۳۷)الفقه المیسر (از–مفتی راشد حسین ندوی) 200/-

انگریزی کتب

(38)The Economic Order In Islam Rs.30/-
By Maulana Abul Hasan Ali Nadwi
(Translated By Ehsanul Haque Nadwi)

(39)Muhammad-The Last Prophet Rs. 170/-
By Maulana Abul Hasan Ali Nadwi
(Translated by Shah Ebadur Rahman)

رابطہ:
Sayyid Ahmad Shaheed Academy
Mob: 9918385097

Designed by Mohammad Makky Hasani Nadwi

Editor: Bilal Abdul Hai Hasani Nadwi
MARKAZUL IMAM ABIL HASAN AL-NADWI
Dare Arafat, Takiya Kalan, Raebareli, U.P.
Mobile: 9918385097, 9918818558
E-Mail: markazulimam@gmail.com
www.abulhasanalinadwi.org

Printed & Published by: Mohammad Hasan Nadwi
On Behalf of: Markazul Imam Abil Hasan Al-Nadwi
Printed at S.A. Offset Printers, Masjid ke peeche,Phatak Abdullah Khan, Sabzi Mandi, Station Road, Raebareli, U.P.